

## آفتاب معرفت

### شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمدؒ

رفتم وازرقن من عالمے تاریک شد من مگر شمس چوں رفتم بزم برہم ساختم  
آنحضرت جل سلطانہ کی خلاق و صناعی کا کیا کہیے کہ اس نے باوجود قدرت تامہ کے اپنی حکمت بالغہ سے نوع بنی آدم کو  
مختلف الاستعداد و الحیثیۃ بنایا، جس کو خبیث النفس اور مغویس جانا؛ اس کو کفر و شرک اور بُعد کی تاریکیوں میں دھکیل دیا، یا خلق  
کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی قعر ندلت میں گرا کر لعنتوں کا مستحق ٹھہرایا اور ”ٹولہ مساتولہ“ کی سزا سنائی اور جس کو  
شریف النفس پایا؛ اس کو پسند فرما کر ایمان و عمل صالح کے انوار سے مزین فرمایا اور جس کو مقعد صدق کے لائق پایا، اُس کو  
اپنے درپہ بٹھا کر قرب و معرفت اور لذت آشنائی بخشی۔ پھر لہم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرة کی نوید  
سنائی۔ فالحمد لمن قدر خیراً و خبالاً۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا  
پھر بخاطر مصلحت اپنے نظام خیر و شرکی کشاکش کو تاقیامت جاری رکھنے کے لیے ہر دور میں، ہر استعداد کے مظاہر  
خیر و شر پیدا فرمائے۔ اگر ایک طرف مظاہر خیر میں اصحاب صفا پیدا فرمائے، تو مظاہر شر میں اصحاب کدورت ظاہر فرمائے۔  
اگر ادھر فنا فی اللہ کے حامل پیدا فرمائے، تو ادھر فنا فی الشیطان ظاہر فرمائے۔ اگر مظاہر خیر میں استعداد عالی کی بنا پر اصلاح  
عن الشر کو وجود بخشا تو مظاہر شر میں اصلاح عن الخیر سے نظام جاری رکھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی  
گویا کہ ہر زمانے میں لکل فرعون موسیٰ کا اصول جاری رہا۔ چنانچہ آخری دور میں مہدی اور دجال اسی اصلاح  
عن المادۃ کے مظاہر ہوں گے۔ الف ثانی میں حضرت حق جل مجدہ نے دین اکبری کو نبخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے امام  
ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی براہ راست تربیت فرما کر ان کو اپنے قرب و معرفت کے انتہائی اعلیٰ مراتب عنایت فرمائے  
جو بڑے بڑے اکابر مشائخ امت کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے اور کم ترک الاول للاحسار کا مصداق بنے۔ نسبت  
مجددین انہی مراتب سے عبارت ہے۔ پھر آنحضرت جل سلطانہ نے اس نسبت مجددیہ کی چوٹیوں پر فائز ہونے کے لیے جن  
چند برگزیدہ شخصیات کو منتخب فرمایا، اس آخری دور میں انہی میں سے قیوم زمان الملخصات خواجہ ابوالسعد احمد خان قدس سرہ

بانی خانقاہ سراجیہ کی ذات گرامی تھی۔ حضرت حق جل مجدہ جب کسی کو نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں، تو خلق اسباب و رفیع موانع بھی خود فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ امام وقت شہنشاہ معرفت مخدوم العلماء و المشائخ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ قدس سرہ کی تربیت کے لیے اعلیٰ حضرت قیوم زمان کو ان کے ہاں بھجوایا۔

پھر ان کی نگرانی میں اعلیٰ علم و عمل سے نوازا۔ پھر حضرت ثانی قدس سرہ کی تربیت میں عین جوانی میں نسبت مجددیہ کی بلندیوں سے سرفراز فرمایا اور پھر کم و بیش پچاس سال سے زائد عرصہ تک شہنشاہ معرفت اور امام ہونے کا شرف بخشا! حق یہ ہے کہ اتنی بڑی سعادتیں امت میں خال خال ہی کسی کو نصیب ہوئی ہیں۔ ولی راوی می شناسد کے ضابطہ کے تحت اگرچہ کسی ادنیٰ ولی کو بھی ولی کے بغیر دوسرا نہیں پہچان سکتا، چہ جائیکہ امام وقت کو کوئی پہچانے، خصوصاً جبکہ اعلیٰ ظرفی، خاموشی، طبع اور اخفاء حال کی بنا پر امتیازی تعلیٰ و رسمی بہتری کا بھی دور پار تک کوئی شائبہ نہ ہو۔ حق یہ ہے کہ اس پچاس سال کے عرصہ میں انہی وجوہ کی بنا پر بڑے بڑے اکابر علم و اساطین روحانیت میں سے شاید ہی کسی نے حضرت کی ذات عالی کو کما حقہ پہچانا ہو۔ ظاہر ہے کہ جس کسی کے مقامات قرب کا علم ہی کسی کو نہ ہو تو ان تک رسائی کا علم کسی کو کیسے ہو سکے گا؟! چنانچہ ایک دفعہ اس نادان نے جرأت کرتے ہوئے حضرت خواجہ سے عرض کر ہی دی: کہ معتقدین میں سے شاید ہی کوئی آنحضور کی بلندی مرتبت کو جانتا ہو، حضرت نے مسکرا کر فرمایا: ”آپ کی بہت مہربانی“۔

راقم الحروف سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ میں شیخ المشائخ حضرت شیخ سید صفی اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کا مرید، تربیت یافتہ اور خاتم الخلفاء ہے؛ جو کہ فاضل دیوبند تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی کے شاگرد خاص اور شیخ العرب والجم مولانا عبد الغفور مدنی کے سات سلاسل میں خلیفہ اجل تھے۔ اپنی وضع قطع، بود و باش اور ریاضت کے اعتبار سے اکابر مشائخ متقدمین کا کامل نمونہ تھے اور یہ نادان سلسلہ مجددیہ بنوریہ میں شیخ المشائخ خواجہ مظفر الدین سید پوری قدس سرہ اور خواجہ محمد سعید کوہستانی قدس سرہ کا خلیفہ ہے۔ دونوں حضرات قطب وقت خواجہ شمس الدین سید پوری بنوری قدس سرہ کے خلفاء تھے، جبکہ اوّل الذکر صاحبزادے بھی تھے۔ دونوں نے تقریباً سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ دونوں حضرات مجھ کم نصیب پر بہت ہی مہربان تھے۔ اوّل الذکر کی سوسالہ زندگی کا سب سے چہیتا خلیفہ اور ثانی الذکر کی سوسالہ زندگی کا واحد خلیفہ ہونے کا شرف حضرت حق نے عنایت فرمایا! میرے اس بنوری سلسلے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نالائق کی معلومات کے مطابق عالم اسلام میں پھیلے ہوئے مجددی سلاسل میں سب سے عالی سند سلسلہ ہے۔ باوجود بلندی مرتبت کے حضرت خواجہ اور امام ربانی کے درمیان بارہ یا تیرہ واسطے ہیں، جبکہ مجھ نالائق اور امام ربانی کے درمیان صرف نو واسطے ہیں۔ سند کا عالی ہونا علوم ظاہرہ میں خصوصاً فن حدیث میں اگرچہ بہت اہمیت کا حامل ہے، لیکن فن تصوف میں جس کا مدار بلندی قرب و مرتبت پر ہے، سند کا عالی ہونا زیادہ سے زیادہ فی الجملہ اہمیت رکھتا ہے۔

الفاظ کے بیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے حضرت خواجہ کے ساتھ مجھ نالائق کو بچپن سے ہی اعتقاد تھا۔ معلوم نہیں کہ عالم اسباب میں اس کی وجہ کیا بنی تھی؟! لیکن بندہ کے برادر کبیر قاری محمد اشرف خان ماجد (مرحوم) کے حضرت خواجہ سے بیعت کرنے پر اس اعتقاد کو مزید تقویت ملی۔ لیکن باضابطہ استفادے کا موقع مندرجہ بالا مشائخ سے ہی ملا۔ آخر عمر میں حضرت خواجہ سے خط و کتابت بھی چند بار ہوئی اور زیارت اور صحبت شریفہ میں حاضری کی سعادت بھی چند بار ملی اور علمی و روحانی استفادے کا موقع بھی نصیب ہوا۔ آٹھ،

دس بار حضرت نے شفقت فرماتے ہوئے تنہائی میں نجی ملاقات کا موقع بھی عنایت فرمایا اور چند بار مختلف مواقع و مقامات میں مجالس میں ملاقات کا موقع بھی ملا۔ نظر کشنی سے بندہ کی روحانیت و حقیقت کو دیکھتے ہوئے اسباق کی نشاندہی اور راہنمائی بھی فرماتے رہے۔ ماوشا کے لیے جس شخصیت کا تعارف ہی ناممکن ہو اس کے بارے میں مجھ بے بضاعت کا کچھ ذکر کرنا اگرچہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا لیکن:

ما تماشا کنان کو تہ دست تو درخت بلند وبالائی  
کا اعتراف کرتے ہوئے یہ نادان صحبت شریفہ میں اخذ کردہ، چند علمی و روحانی فیوض و برکات کا ذکر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگرچہ اس سے حضرت کے کسی ادنیٰ کمال کی عکاسی بھی نہیں ہو سکے گی۔

ہزار بار بشویم ذہن زمٹک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

## بلندی مرتبت

آنحضرت جل سلطانہ نے امام وقت حضرت خواجہؒ کو تمام کمالات ظاہری و باطنی، علمی، عملی و روحانی سے بھر پور نوازا تھا۔ بندہ نے اپنی حیات میں جن اکابر علماء و مشائخ کی زیارت کی؛ کسی کو بھی جامعیت کمالات ثلاثہ میں حضرت خواجہؒ کے برابر نہیں پایا۔ خاص طور پر فن تصوف کے تمام لوازم و آثار کا حامل، نیز بیعت، معرفت و حقیقت کے رموز و اسرار کا پورا پورا آشنا حضرت عالی کے ہم پلہ کوئی شخص عالم اسباب میں قریب قریب ناممکن تھا۔ اوائل شباب میں اپنی کم ظرفی و پست ہمتی کی بنا پر بندہ کا خیال تھا، کہ نسبت مجددیہ کے انتہائی اعلیٰ و آخری مراتب، بالخصوص ”کمالات و حقائق“ کے حامل لوگ اس دور میں نہیں ہوا کرتے۔ چنانچہ آج سے اٹھارہ سال قبل حضرت کے سامنے حضرت کے اسی مکتوب پر تبصرہ کرتے ہوئے جو آخر میں درج کیا جائے گا، بندہ نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو مسکرا کر فرمایا: ”کہ تمہارا خیال درست نہیں، بلکہ اس نسبت کے حامل لوگ اس دور میں بھی موجود ہیں“۔ چنانچہ بندہ نے استشہاد کے طور پر امام الہند شاہ ولی اللہ کے معاصر مرزا مظہر جانجاناں کا قول نقل کیا کہ انہوں نے اپنے آخری دور میں سالکین کی ست روی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب کمالات کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ولایت کا کھلا رہے گا، حقائق تک رسائی تو بہت معتد رہے۔

لگے ہاتھوں حضرت مرزا مظہر جانجاناں کا تعارف بھی کراتا چلوں کہ مرزا صاحبؒ کس پائے کی شخصیت تھے؟! امام الہند شاہ ولی اللہؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت، جو اپنی اعلیٰ ظرفی اور عالی نفسی کی بنا پر بہت کم کسی کی معتقد تھی اور حسب عادت بہت کم کسی کے لیے تعریفی کلمات فرماتے ہیں، لیکن باوجود مرزا صاحبؒ کے معاصر ہونے کے شاہ صاحبؒ کا فرمان ہے: ”اللہ پاک نے مجھے اتنا اعلیٰ کشف صحیح عنایت فرمایا کہ کسی وقت پوری دنیا میرے سامنے ایسے منکشف ہوتی ہے جیسے ہاتھوں کی لکیریں۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اس وقت دنیا کی کسی اقلیم میں مرزا صاحبؒ جیسی شخصیت موجود نہیں۔ وہ قیوم طریقہ احمدیہ ہیں۔ جو بھی نسبت مجددیہ کی تحصیل چاہتا ہو، اپنے آپ کو مرزا صاحبؒ تک پہنچائے۔“

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اتنی بلند شخصیات متقدمین میں بھی خال خال ہوئی ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے بندہ سے مرزا صاحبؒ کا قول سن کر فرمایا کہ اس سے مرزا صاحبؒ نے اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بندہ نے عرض کی: کہ ”کمالات و حقائق“ کا دروازہ بند ہونے سے اگرچہ وفات کی طرف اشارہ ممکن ہے، لیکن ”ولایات کا دروازہ کھلا رہے گا“ سے نسبت

کے تنزل پذیر ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ حضرت خواجہ مسکرا کر قدرے خاموش رہے؛ پھر فرمایا کہ مقاماتِ ”کمالات و حقائق“ کے توفیق و ضعف میں فرق ممکن ہے، ورنہ نفس کمالات حقائق اس دور میں بھی حاصل ہیں۔

تو وطوبیٰ وما وقامت یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

قارئین کو معلوم رہے کہ مقامات کمالات و حقائق آنحضرت جل سلطانہ کے قرب کے انتہائی مقامات میں سے ہیں جن سے بالاصالت تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات ہی بہرہ ور ہوتے ہیں، لیکن امتیوں میں سے بھی گئے چنے افراد انتہائی اعلیٰ استعداد اور انتہائی اعلیٰ متابعت کی بنا پر فیضیاب ہوتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ سالک جس نبی کے زیر قدم ہوتا ہے، اس کی حقیقت سے متاثر ہونے کے بعد حضرت حق کی طرف سے اپنے ساتھ وہی معاملات پاتا ہے جو اس نبی علیہ السلام نے پائے اور بغیر کسی وساطت کے براہ راست حضرت حق جل مجدہ سے مستفیض ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دور حاضر کے اعتبار سے انتہائی اعلیٰ سعادت ہے جس کا مندرجہ بالا مکالمہ میں درپردہ حضرت خواجہ نے اعتراف فرمایا؛ اور حق یہ ہے کہ یہ نعمت نسبت ولایت سے بالاتر ہے۔ ”کمالات نبوت اور نسبت مجددیہ“ کے خصائص میں سے ہے۔

## بے نفسی

دین و دنیا کی کوئی نعمت بھی جب حضرت حق جل شانہ کی طرف سے کسی کو عنایت ہوتی ہے؛ خاص طور پر جب کوئی بڑا منصب مل جائے تو جب تک منعم علیہ بہت اعلیٰ ظرف اور وسیع الصدر نہ ہو، تب تک بڑوں بڑوں سے بھی خود نمائی کا عنصر ضرور شامل ہو جاتا ہے، لیکن حضرت خواجہ اس سلسلے میں بہت اعلیٰ ظرف واقع ہوئے تھے۔ بارہا بار بندہ نے مختلف جیلوں بہانوں سے کریدنے کی کوشش کی لیکن کیا مجال ہے کہ کبھی خود رائی کا اظہار ہو۔ جیسے کہ آئندہ آنے والے مکتوبات سے بھی معلوم ہوگا۔ حضرت خواجہ کو آنحضرت جل سلطانہ نے مسلسل پینڈھ (۶۵) حج ارزائی فرمائے تھے جو کہ ایک نایاب یا کمیاب سعادت ہے!! بندہ نے ایک دفعہ عرض کی کہ جیسے حضرت عروۃ الوثقی خواجہ معصوم قدس سرہ نے ”یا قوت احمد“ کے نام سے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیوض الحرمین“ کے نام سے اور دیگر اکابر نے مختلف ناموں سے حرمین شریفین میں پیش آمدہ معاملات، فیوضات و برکات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ نے تو بہت زیادہ بارحاضری دے کر فیوض و برکات حاصل فرمائے ہیں۔ آپ بھی کچھ تحریر فرماتے؟! برجستہ فرمایا ”کہ مجھے کوئی دعویٰ نہیں، بندہ نے جرأت سے عرض کی: کہ میں دعویٰ کا نہیں عرض کر رہا، بلکہ یہ کہ خلق خدا کو اس سے بہت سی معلومات اور استفادہ ہوتا؟ فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں!

اللہ اکبر! کہاں حضرت خواجہ جیسے خدا رسیدہ مرشدان حقیقی اور کہاں میرے جیسے نالائق رسمی اور نمائشی پیر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک! اسی ضمن میں ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ قطب وقت خواجہ شمس الدین سید پوری بنوری قدس سرہ کے ایک خلیفہ ریل گاڑی کے سفر میں تھے۔ ایک کچم شیم رسمی پیر صاحب بڑے طمطراق سے چار آدمیوں کی سیٹ پر قبضہ کر کے ایسے ہی براجمان تھے۔ خلیفہ صاحب اسی سیٹ کے ایک کونے پر مشکل اڑ کر بیٹھ گئے اور بار بار پیر صاحب کی طرف لجاجت آمیز نظروں سے دیکھا کہ میں تنگ بیٹھا ہوں؛ شاید پیر صاحب تھوڑا سمٹ کر میرے لیے کچھ گنجائش پیدا کریں۔ لیکن پیر صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے اور نہ ہی خلیفہ صاحب کی روحانیت کو پرکھ سکے۔ آخر خلیفہ صاحب نے عرض کر دی: کہ حضور! اگر تھوڑا کھڑا ہو جائیں تو میرے لیے گنجائش نکل سکتی ہے۔ پیر صاحب جو کہ کافی دیر سے خود نمائی کے لیے پرتول رہے تھے لیکن موقع نہیں مل رہا تھا

فوراً غصے سے گردن کو خاص انداز میں تاؤ دے کر بولے: آپ کو معلوم ہے کہ میرے چار لاکھ مرید ہیں! خلیفہ صاحب نے عرض کی: کہ حضور میں نے تو مریدوں کی تعداد پوچھی بھی نہیں، نہ ہی اس سے میری کوئی غرض ہے کہ مجھے تو بیٹھنے کے لیے ڈیڑھ فٹ جگہ چاہیے!! ظاہر ہے کہ ایسے خود نمائے پیروں سے کس کی کیا اصلاح ہوگی!؟  
یہ زاہد نفس پرور تیرے دربان بن کے بیٹھے ہیں خداوند تیرے در تک رسائی کتنی مشکل ہے

## کشف و کرامات

کشف و کرامات اگرچہ ولایت کی شرط نہیں؛ لیکن کم و بیش صوفیانہ ولایت کے لوازم و آثار میں سے ہے۔ طریق تصوف میں آنحضرت جل ساطانہ کا شاید ہی کوئی ایسا پاک باطن برگزیدہ بندہ ہو جو کم و بیش اس سے خالی ہو۔ خواہ وہ خود سمجھے یا نہ سمجھے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ جن کی سجادگی کا زمانہ چوٹن سالہ (۵۴) طویل عرصہ پہ محیط ہے۔ لاکھوں مریدین اور متوسلین حضرت خواجہ سے فیض یاب ہوئے۔ ہزاروں معتقدین نے موقع بموقع ان سے کشف و کرامات کا صدور دیکھا جو کہ معتقدین میں ہر خاص و عام کی زبان پر ہیں۔ راقم الحروف اپنے ساتھ پیش آمدہ دو واقعات کشف کا ذکر کرے گا:

**پہلا واقعہ:** خانقاہ شریف میں گرمیوں میں عصر کی مجلس میں بندہ بھی حاضر تھا۔ حضرت کے حجرہ شریفہ اور مسجد کے صحن کے درمیان کھلی فضا میں مجلس ہوتی تھی۔ حضرت چار پائی پر تشریف فرما تھے اور چند معتقدین حضور کا بدن مبارک دبارہے تھے۔ بندہ بھی آہستہ آہستہ قریب پہنچا دبانے والے ساتھی نے حضرت کا بازو اس انداز سے تھام رکھا تھا، کہ دست مبارک مجھے نظر آ رہا تھا؛ بندہ چونکہ پامسٹری کا شوق بھی رکھتا تھا۔ خیال ہوا کہ حضرت کے دست مبارک میں کوئی ایسی لکیر ہے جو حضرت کے امام وقت ہونے پر دال ہے؛ دیکھنا چاہیے۔ بندہ نے غیر محسوس طریقے سے مزید قریب ہونے کی کوشش کی۔ حضرت نے مکشوف ہونے پر فوراً لطیف حیلے سے دست مبارک کا رخ اپنی طرف فرما کر مٹھی بند کر لی اور دو، تین بار بندہ کی طرف خاص نظروں سے دیکھا اور آخر تک مٹھی بند ہی رکھی۔

**دوسرا واقعہ:** حضرت خواجہ اپنی افتاد طبع اور خاموشی کی بنا پر بوقت ملاقات عام طور پر رسمی علیک سلیک پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔ بہت ہی انحصار ان خاص حضرات سے معمول سے زائد انبساط بھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اسلام آباد شریف لائے ہوئے تھے۔ بندہ حاضر ہوا۔ گھر کے کسی بچے نے بتایا کہ حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ چنانچہ بندہ نے باہر گلی میں ہی چہل قدمی میں بہتری سمجھی۔ خیال ہوا کہ اندر مجمع بھی ہوگا، سرسری سی ملاقات ہو سکے گی۔ کاش کہ حضرت خود ہی خلاف معمول کافی انبساط و شفقت فرمائیں! چنانچہ حضرت کے فارغ ہونے پر بندہ حاضر ہوا۔ حضرت نے بوقت سلام خلاف معمول بندہ کا ہاتھ کافی دیر تھامے رکھا اور حال احوال پوچھتے رہے۔ بالآخر بندہ اپنے خیال اور خواہش پہ مسکرا دیا۔ حضرت بھی مجھے دیکھ کر مسکرائے اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اسی طرح میرے علاوہ ہزاروں معتقدین کیساتھ ایسے واقعات بار بار پیش آئے ہوں گے جو کہ حضرت کے انتہائی روشن ضمیر ہونے پر دال ہیں۔

## حافظہ

محدثین، فقہاء اور علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں حافظے کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور ان کی سوانح میں

اس کا خاص ذکر ملتا ہے۔ جو کہ وہی اور کسی دونوں طرح کا ہو سکتا ہے۔ گناہوں سے تحفظ، خصوصی طور پر نظروں کی حفاظت سے اس کا خاص تعلق رہا ہے۔ لیکن عام ضابطے کے برعکس تصوف میں کمال کا مدار چونکہ فنا و بقا پر ہے جو کہ ماسوا کے نسیان پر مرتب ہے۔ اسی لیے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں ایسے ایسے مستغرق الحال لوگ بھی بکثرت ہوئے ہیں جو اپنا نام تک بھول جاتے تھے، لیکن حضرت خواجہ باوجود انتہائی اونچے صوفی صافی ہونے کے کمال درجہ کا نحو و بقا بھی رکھتے تھے۔ اس لیے حافظہ بھی بہت قوی رکھتے تھے۔ خانقاہ کی طرف سے ایک بار ”دلائل الخیرات“ طبع ہوئی جس کے شروع میں درود تاج بھی طبع ہوا۔ ایک ٹھیٹھ مولویانہ ذہن رکھنے والے ساتھی نے کہا کہ اس میں کچھ الفاظ موہم، مشرک ہیں! بندہ اتفاق سے اپنی کسی مقصد کے لیے حضرت خواجہ کو خط ارسال کر رہا تھا۔ اس نے بھی یہ اشکال لکھ کر بھیج دیا۔ حضرت خواجہ نے جواب میں ”دلائل الخیرات“ کے شروع میں درود تاج کی طبع سے لاعلمی اور بے تعلقی ظاہر فرما کر معذرت فرمائی۔ بات آئی گئی ہوگی۔

اس واقعے سے تین سال بعد بندہ پہلی بار خانقاہ شریف زیارت کے لیے حاضر ہوا تو غالباً دوسرے دن حضرت خواجہ نے ایک عبارت بندہ کے سامنے رکھ دی فرمایا کہ اس عبارت پر شرعاً کوئی اشکال تو نہیں؟! بندہ نے عرض کی: کہ اگر ”با“ سمیت کے لیے لیں، علت کے لیے نہ لیں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں۔ حضرت نے فوراً مسکرا کر فرمایا کہ پھر لوگ درود تاج پر کیوں اعتراض کرتے ہیں!! سچ یہ ہے کہ درود تاج والا مندرجہ بالا قصہ بندہ کے اپنے ذہن سے نکل چکا تھا، لیکن حضرت کے فرمانے سے ذہن میں تازہ ہوا اور حضرت کے قوی حافظے کی داد دینی پڑی۔

## عشق امام ربانیؒ

اگرچہ مجددی سلسلے کے ہر شائب و شیخ کو امام ربانی سے خصوصی محبت ہوتی ہے لیکن حضرت خواجہ گو امام ربانیؒ سے غایت درجہ محبت تھی۔ اتفاق سے ایک بار مجلس میں بندہ نے عرض کی: کہ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ امام ربانیؒ کے خلیفہ اجل شیخ آدم بنوریؒ کے بعض ملکات، امام ربانیؒ سے زیادہ قوی تھے۔ خلاف معمول سن کر حضرت چہیں چہیں ہوئے اور فرمایا کہ کاشمیری صاحب نے کون سی نسبت مجددیہ حاصل کی ہوئی تھی کہ ان کو یہ کہنے کا حق ہو؟!۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نماز کے تشہد میں رفع مسبحہ کے قائل نہیں تھے اور ان کے عاشق صادق تمام حاملین نسبت مجددیہ بھی اسی نسبت سے رفع مسبحہ نہیں فرماتے تھے۔ حضرت خواجہؒ کا بھی معمول عدم رفع کا تھا۔ اسی طرح رئیس المحدثین حضرت مولانا حسین علیؒ بھی عدم رفع کے قائل تھے۔ امام ربانیؒ نے مکتوبات میں فقہی روایات سے مدلل ایک مکتوب عدم رفع مسبحہ پر بھی تحریر فرمایا ہے۔ ایک دن بندہ نے حضرت خواجہؒ سے عرض کی کہ آپ کے تشہد میں اشارہ نہ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: کہ تم نے مجدد صاحبؒ کا مکتوب نہیں پڑھا؟ بندہ نے عرض کی کہ بندہ نے مرزا صاحبؒ کا مکتوب بھی پڑھا ہے۔ (مرزا صاحب نے اثبات رفع مسبحہ پر مکتوب تحریر فرمایا ہے اور باوجود مجددی اور عاشق امام ربانی ہونے کے مجدد صاحب کے قول کو فقہی اعتبار سے مرجوح قرار دیا ہے۔) حضرت میراجواب سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ حضرت مجددؒ کے صاحبزادہ ثانی خواجہ محمد سعیدؒ نے عدم رفع پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے۔ بندہ نے عرض کی: کہ مجھے امام ربانیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمد یحییٰؒ کے اثبات رفع پر مستقل تصنیف کا بھی علم ہے۔ حضرت جواب سن کر محظوظ ہوئے اور مسکراتے رہے۔ آخر میں بندہ نے عرض کی کہ ہماری حنفی فقہی روایات کا سب سے بڑا ماخذ اور سند تو امام محمدؒ ہیں۔ وہ خود

فرما رہے ہیں: ”وہ نأخذ و هو قول أبي حنيفة“ کہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول و عمل ہے؛ رفع مسجہ، اور اسی پر ہمارا عمل ہے تو پھر کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے! حضرت نے مسکرا کر فرمایا: کہ بھی آپ کیا کریں، آپ کو کون روکتا ہے؟

## سکوتِ دائمی

ہر سلسلے کی اپنی خصوصیات ہوا کرتی ہیں سلسلہ نقشبندیہ کی بنا ہی چونکہ ذکر خفی پر ہے۔ اس لیے خاموشی سے صحبت شیخ میں اپنے لظائف اور اسباق کی طرف متوجہ رہ کر فیوض و برکات اخذ کرنے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت خواجہؒ اسی اصول کی بنا پر ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ احادیث میں خواجہ کائنات حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسان کثیر الصمت کے الفاظ آئے ہیں اور یہ تو قارئین نے سنایا ہوگا: کہ حکمت و دانائی کے دس اجزاء ہیں؛ جن میں سے نو صرف خاموشی میں ہیں اور ویسے بھی اصحاب عشق و معرفت کی خاموشی خالی سکوت کا نام ہی نہیں؛ بلکہ بنحوئی معنی دارد کہ در گفتن نبی اید کا مصداق ہوتی ہے۔ نیز من عرف اللہ کل لسانہ بھی مسلمات میں سے ہے۔ ان تمام امور کی بنا پر حضرت خواجہؒ دائم السکوت تھے۔ عوام الناس جو کہ جب تک وعظ و نصیحت یا بیان نہ سن لیں متاثر نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس اصول کو نہ سمجھنے والے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی حضرت کی مسلسل خاموشی پہ حیران ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کسی نے عرض کر ہی دی: کہ حضور کچھ فرمائیں؟ تو حضرت خواجہؒ نے امام ربانیؒ کا قول نقل فرمایا:

”جس کو ہماری خاموشی سے فائدہ نہ ہو، اس کو ہمارا کلام کوئی فائدہ نہیں دے گا“

ایک دفعہ اتفاق سے بندہ خانقاہ میں تھا۔ مظفر گڑھ کے علاقے سے ایک عمر رسیدہ سفید ریش، تقریباً حضرت کے ہم عمر ایک صاحب، بڑے باتوئی اور چٹورے قسم کے مرید تشریف لائے۔ غالباً کسی دینی مدرسے کے سفیر بھی تھے۔ مجلس شریفہ میں سوائے علیک سلیک کے کوئی بات بھی نہ سن پائے۔ مجلس کے بعد میرے پاس آ بیٹھے اور فرمانے لگے: کہ حضرت تو بالکل بولتے ہی نہیں!! میرے پہلے شیخ خواجہ سعید گو بانوئی مجھے بہت نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ بندہ نے عرض کی: کہ اپنی اپنی طبیعت ہے؛ جو بات واقعی ضروری ہو حضرت فرمادیتے ہیں۔ جو نہیں فرماتے وہ ضروری نہیں ہوتی۔ کہنے لگے: کہ میں تو حضرت کی خاموشی سے تھک جاتا ہوں!! حضرت کو کچھ نہ کچھ فرمانا چاہیے۔ بندہ نے عرض کی: کہ بزرگوں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ عصر کی مجلس میں ان صاحب نے حضرت کے کچھ فرمانے کا انتظار کیا لیکن بے سود۔ بالآخر خود ہی بول پڑے کہ: سائیں! میرے پہلے پیر مجھے بہت نصیحتیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو میں نے عرض کی: کہ آپ تو اب فوت ہو رہے ہیں میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ میری وفات کے بعد دو آدمیوں میں سے جس کے پاس مرضی ہو چلے جانا: ایک حضرت خواجہ عبداللہ بہلوی شجاع آبادی ہیں اور دوسرے حضرت خواجہ خان محمد کنڈیاں والے ہیں۔ چنانچہ میں ابھی اسی شش و پنج میں تھا کہ دونوں میں سے کس کے پاس جاؤں؟! تو کچھ عرصہ بعد خواجہ عبداللہ بہلویؒ بھی وفات پا گئے۔ چنانچہ پھر صرف آپ ہی رہ گئے۔ پھر میں آپ سے بیعت ہوا۔ اس بزرگ کی زبان سرائیکی تھی اور حضرت کے ساتھ بات کا طرز بالکل ہم عمر دوستوں جیسا تھا۔ جس سے حضرت خواجہؒ سمیت پوری مجلس کافی محظوظ ہوئی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ سائیں! چند سال پہلے جو مرید آپ کے پاس آتے تھے کافی سخی ہوتے تھے۔ کوئی مٹھائی لے آتا، کوئی پھل لے آتا، مجھے بھی کھانے کا موقع مل جاتا۔ لیکن اب چند دن سے دیکھ رہا ہوں کہ کافی پختل مرید آتے ہیں، کوئی چیز نہیں لاتے!!

حضرت نے فرمایا: تمہیں مٹھائی کی خواہش ہے، تمہیں مل جائے گی۔ ان صاحب نے حضرت کی بشارت کو دیکھتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ دستار کافی سال پہلے آپ نے دی تھی؛ اب بالکل بوسیدہ ہو چکی ہے۔ اس دفعہ نئی دستار مجھے عنایت کرو؛ میں لے کر جاؤں گا۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مل جائے گی!“

الغرض مجلس شریفہ میں اگرچہ ہر ایک کی خواہش ہوتی ہوگی کہ حضرت کچھ فرمائیں، لیکن حضرت اپنے اصول کی پاسداری فرماتے ہوئے، آفتاب معرفت و مور تجلیات ہونے کی بنا پر اپنے فیوضات و برکات کی ضیاء پاشیوں سے باطنی طور پر مجلس کو گرم رکھتے تھے۔ جس سے اصحاب بصیرت و استعداد؛ خصوصاً اصحاب ادراک و کشف پوری طرح مستفیض ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک ہیئت پر جم کر بیٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ انوار بڈیوں میں سرایت کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

دل سلگتا ہے تیرے سرد رویے پہ مرا دیکھ اس برف نے کیا آگ لگا رکھی ہے  
حضرت کی ذات عالی تو نور مجسم تھی۔ مجلس شریفہ سے کسی کے بے فیض اٹھنے کا تو سوال ہی کیا ہے۔ الایہ کہ کوئی بہت ہی شیطان صفت اور خلق کی ایذا رسانی کی بنا پر محروم القسمت ہو تو علیحدہ بات ہے!

تہید سنان قسمت راچہ سود از رہبر کامل خضر از آب حیوان تشنہ لب ارد سکندر را  
ورنہ حضرتؒ تو جس علاقے میں تشریف فرما ہوتے؛ پورے علاقے کی فضا انوار کی بارش سے سیراب ہوتی تھی۔

ایک دفعہ بندہ بقرعید کے دوسرے دن قطب البلاد حضرت لاہور پہنچا۔ دو دن بعد حسب معمول رات کو سویا تو فضا معمول کے مطابق تھی لیکن سحری کو جب اٹھا تو لاہور شہر کی فضا کو بندہ نے روحانیت سے معمور پایا۔ بڑی حیرت ہوئی؛ کہ ابھی رات کو خلاف معمول کوئی بات نہیں تھی، اب سحری کو یہ روحانیت کہاں سے آئی۔ فوراً ذہن حضرت خواجہؒ کی طرف منتقل ہوا کہ غالباً رات کے کسی حصے میں حضرت خواجہؒ لاہور میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ چنانچہ صبح فجر کے فوراً بعد ناشتے میں بندہ نے میزبان سے کہا کہ شاید حضرت خواجہؒ لاہور میں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت چند دن قبل حج پر تشریف لے گئے تھے عید کے فوراً بعد بظاہر واپسی کا کوئی امکان نہیں، لیکن بندہ اپنے ادراک پر مصر تھا۔ چنانچہ ایک ساتھی معلومات کے لیے حضرت کے مخلص قاری نذیر صاحب کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت واقعی رات ساڑھے بارہ بجے کی فلائٹ پر تشریف لائے تھے اور ابھی ہی ناشتہ کر کے خانقاہ تشریف لے گئے ہیں۔

شہر تو شہر ہے؛ سچ پوچھو تو کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بندہ نے روحانی فضا کو مکدر اور سوناٹا پایا۔ خیال ہوا کہ شاید حضرت خواجہؒ ملک میں تشریف فرما نہیں ہیں۔ چنانچہ معلومات کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی حضرت خواجہؒ بیرون ملک کے دورے پر تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضاء لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں  
قصہ عجیبہ: حضرت خواجہؒ اگرچہ آخری سالوں میں مندرجہ بالا سکوت پر بہت کار بند تھے، لیکن اٹھارہ بیس سال قبل کی مجالس میں سوالوں کا خاطر خواہ جواب ضرور مرحمت فرماتے تھے۔ بندہ جب بھی مجلس میں ہوتا تو تصوف کے کسی موضوع پر ضرور پوچھ گچھ کرتا رہتا اور حضرت بھی شفقت فرماتے ہوئے واجبی سا جواب ضرور مرحمت فرماتے۔ اتفاق سے بندہ نے تصوف کی کوئی بات پوچھی تو حضرت بات سنتے ہی فوراً خلاف معمول اٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ ساری مجلس میری طرف دیکھنے لگی۔ بندہ خود اپنی جگہ پریشان؛ کہ خدا نخواستہ کوئی گستاخی مجھ سے ہوئی ہے کیا؟! لیکن مجلس کے ایک حاضر باش، مزاج



شناس نے میری طرف اشارہ کیا کہ آپ بھی حضرت کے پیچھے چلے جائیں۔ بندہ لرزتی ناگوں سے حضرت کے پیچھے چل پڑا۔ چنانچہ حضرت کشاں کشاں خانقاہ کی لائبریری میں تشریف لے گئے اور خانہ کتب تصوف کے سامنے قیام فرما ہوئے۔ بندہ پیچھے کھڑا رہا۔ حضرت نے کچھ دیر کی تلاش کے بعد تصوف کی مشہور کتاب ”لوائح جامی“ نکالی۔ فہرست دیکھی اور پھر کتاب بندہ کے ہاتھ میں تھادی فرمایا کہ اس کا فلاں جگہ سے مطالعہ کر لو۔ چنانچہ واپس ہم دونوں حجرہ شریفہ پہنچے۔ دوپہر کی فرصت میں بندہ نے کتاب کا مطالعہ کیا اور ظہر کی مجلس میں عرض کی کہ میں نے کتاب کا مطالعہ کر لیا ہے، لیکن اس میں چند باتیں غلط ہیں!! حضرت نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بندہ نے وہ مقام کھول کر آگے کر دیا۔ حضرت دیکھ کر مسکرائے فرمایا کہ ہاں کتابت کی غلطی سے مضمون غلط ہو گیا ہے۔ پھر رات کی مجلس میں جس میں ساتھی نسبتاً کم ہوتے تھے، بندہ نے وحدۃ الوجود کی بحث شروع کی۔ حضرت نے کافی معلومات افزا جوابات عنایت فرمائے جو آخر میں مکتوب کے بعد بندہ ذکر کرے گا۔ ایک جواب جس پر بندہ نے اشکال ظاہر کیا؛ اس کا جواب باحوالہ دکھانے کے لیے حضرت نے فرمایا کہ اپنے پیچھے موجود الماری سے فلاں کتاب دے دو۔ حضرت نے وہ حوالہ تلاش کرنے کی کافی کوشش فرمائی، لیکن پندرہ منٹ کی جستجو کے باوجود حوالہ نمل سکا۔ آخر بندہ نے عرض کی کہ چلو پھر کسی موقع پر تلاش کر لیں گے، لیکن حضرت نے میری بات سنی ان سنی کر دی اور حوالہ کی تلاش جاری رکھی جبکہ بندہ کو پہلے سے علم تھا کہ حضرت خواجہ شیخ المشائخ شاہ غلام علی مجددی کا قول مجھے دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب تلاش کو پون گھنٹے کے قریب وقت ہو گیا اور تمام ساتھی میری طرف بار بار دیکھنے لگے کہ حضرت کو تم نے ویسے مشقت میں ڈال رکھا ہے تو بندہ نے دوبارہ عرض کی کہ حضور صبح تلاش کر لیں گے، لیکن حضرت بدستور ورق گردانی فرماتے رہے۔ بالآخر مجبوراً بندہ کو آخری پتہ پھینکنا پڑا کہ میرے خیال میں حضور مجھے شاہ غلام علی کا ارشاد دکھانا چاہتے ہیں، وہ پہلے سے میرے علم میں ہے۔ حضرت نے مسکرا کر کتاب بند فرمادی اور فرمایا کہ میں وہی دکھانا چاہتا تھا۔ حضرت نے مجھ نالائق کے وسعت مطالعہ کی تعریف بھی فرمائی، نیز شکر یہ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

## کمال عظیم

امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کے جن چند جلیل القدر مشائخ کرام کو آنحضرت جل سلطانہ نے شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت کی جامعیت کی بنا پر پیری کی پوری پوری حقیقت مع لوازمہا و آثار با عنایت فرمائی تھی؛ حضرت خواجہ اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر ان مشائخ میں خاص مقام کے حامل تھے۔

مشائخ طریقت کی عام طور پر تین اقسام ہر دور میں رہی ہیں۔ بندہ نے بھی تینوں اقسام کو دیکھ رکھا ہے:

**قسم اول:** بعض مشائخ طریقت اگرچہ عملی، حالی اور باطنی طور پر کمالات تصوف سے حسب استعداد خاطر خواہ حد تک متحقق ہوتے ہیں اور باریاضت ہونے کی بنا پر دوسرے کی تربیت اور اصلاح بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن علمی طور پر تصوف کی حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب استعداد لوگ اگر علمی طور پر کوئی اشکال یا سوال، تصوف کے بارے میں ان سے پوچھیں۔ تو وہ جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسے مشائخ کی کثیر تعداد ہر دور میں خصوصاً آخری دور میں رہی ہے۔

**قسم دوم:** ایسے مشائخ جو عملی، حالی، روحانی اور باطنی کمالات میں بھی بیچارے کمزور ہوتے ہیں اور علمی طور پر بھی تصوف کے فن سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ ایسے حضرات کو مشائخ کی بجائے پیران کرام کہنا چاہیے اور مجھ کم نصیب جیسے اکثر پیر

اس دور کے تقریباً ایسے ہی ہیں۔

**مہم سوم:** ایسے مشائخ کرام جو واقعی سجادہ نشین ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام پہلوؤں پر علمی، عملی، روحانی غرضیکہ ہر لحاظ سے حاوی ہوتے ہیں۔ کمال و تکمیل میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں؛ فن کے بہترین شارح اور تسلی بخش جواب دہندہ ہوتے ہیں اور تصوف کے دقائق، معارف، رموز و اسرار کے پوری طرح آشنا ہوتے ہیں۔ پہلے ادوار میں ایسے مشائخ بکثرت ہوتے تھے۔ لیکن آخری ادوار میں کم، اور دور حاضر میں سوائے حضرت خواجہ کے کوئی شخصیت راقم الحروف کی نظر سے اس پائے کی نہیں گذری۔ فن تصوف سے نا آشنا لوگ خواہ عوام ہوں یا خواص، عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ پیری ایک معمولی، عام اور آسان سا کام ہے۔ حتیٰ کہ عوام تو عوام ہیں؛ خواص بلکہ علماء میں سے بھی کئی حضرات یہ کہتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ پیری تو ہر بندہ کر سکتا ہے؛ صرف یہی تو بتانا ہوتا ہے کہ اتنی دفع فلاں ذکر کیا کرو اور بس۔ حاشا وکلاً ثم حاشا وکلاً!!

بلا مبالغہ حق بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے تمام کاموں میں سب سے مشکل ترین کام پیری ہے۔ بڑے بڑے لوگ اس فن میں ناقص پائے گئے۔ پیری کیا ہے؟ اس کی حقیقت پر قدرے روشنی ڈالتے چلوں؛ تاکہ مغالطہ و ہنگام کی غلط فہمی یا خوش فہمی دور ہو سکے۔

پیری نام ہے: آنحضرت جل سلطانہ کے مراتب قرب میں اپنے کمال اور دوسروں کی تکمیل کا۔ کمال کیا ہے؟ کمال نام ہے تین چیزوں کا:

۱۔ ظاہر و باطناً پورا پورا توجہ شریعت و سنت متقی ہونا۔

۲۔ باطن کا انوار حقیقت میں مستغرق ہونے کی بنا پر لطفائے عشرہ کا پورا پورا مصطفیٰ و مژگی، مجتلی و مجتلی ہونا۔ قالب کا اعتدال حقیقی سے مشرف ہونا۔ مقام بی یسمع و بی يبصر کی بنا پر فنا فی اللہ و بقا باللہ سے مشرف ہونا۔ صاحب کشف عیانی یا کم از کم صاحب کشف وجدانی و ادراک باطنی ہونا۔ دنیا و مافیہا کی محبت سے بالکل خالی ہونا۔ دن رات کی کوئی گھڑی ریاضت، اعمال یا مشاہدہ و توجہ الی اللہ سے خالی نہ ہونا۔

۳۔ آنحضرت جل سلطانہ کے معاملات کو پوری طرح سمجھنا اور ان کے مقتضی پر ہمہ وقت عمل پیرا رہنا۔

جبکہ مقام تکمیل نام ہے مندرجہ ذیل تمام صفات سے متصف ہونے کا: جب کوئی بیعت کے ارادے سے آئے؛ اس کی استعداد کو دیکھنا، کہ قرب عام کی استعداد رکھتا ہے یا قرب خاص کی۔ اگر استعداد قرب خاص رکھتا ہے؛ تو راہ ولایت کی استعداد رکھتا ہے یا راہ نبوت کی؛ بصورت ولایت استعداد جذب رکھتا ہے یا سلوک کی۔ کیونکہ ان میں سے ہر استعداد کے مناسب علیحدہ اذکار و اوراد ہیں۔ اصحاب بصیرت نے دیکھا ہوگا کہ مشائخ سے بیعت کے بعد، مختلف اسباق مختلف سالکین کو جو ملتے ہیں؛ اس میں اصل راز یہی استعداد کا فرق ہے۔ پھر سا لک کس لطیفے یا مشرب سے خاص تعلق رکھتا ہے یا کس نبی کے زیر قدم ہے؛ تاکہ اس لطیفے پر خاص توجہات اور محنت کرائی جائے۔ عنایت شدہ ذکر اُس نے کیا ہے یا نہیں؟! اس کے لطفائے اس سے متاثر ہوئے ہیں یا نہیں؟! اگلا سبق دیے جانے کے قابل ہے یا نہیں؟! عالم امر سے مناسبت کم رکھنے کی صورت میں، خصوصی توجہات سے اُس کی مناسبت پیدا کرنا، تاکہ ناسوتی صفات چھوڑ کر ملکوتی صفات کی طرف ترقی کرے۔ پھر بحالت جذب، کیفیات و واردات کا تحمل نہ کر سکنے کی صورت میں اس کو مصلحت کی خاطر واپس نیچے لانا یا بصورت تحمل توجہ سے اُس کو کیفیت سے بالا مقام پر لے جانا۔ سا لک کی شرعی خامیوں سے پوری طرح باخبر رہنا اور اس مقام سے اس کو نکالنے کے

لیے نصیحت، توجہ و دعا سے اُس کی دستگیری کرنا۔ سالک کے کسی گناہ کی بنا پر نزولِ غضبی یا نزولِ عدلی کا شکار ہو کر عروج کھودینے پر دوبارہ اُس کو اس مقام تک پہنچانا۔ بصورتِ استعدادِ عالی جوئی تجلیات اس سالک کے لیے نافع ہیں؛ اُن کو اس پر وارد کرنا اور مضرتِ تجلیات سے بذریعہ بائی پاس کسی بالا تجلی تک پہنچانا۔ صاحبِ استعدادِ غیر ملکی مریدین یا دور دراز رہنے والے عشاقِ سالکین کو دور دراز کی توجہ سے مقاماتِ عالیہ تک پہنچانا اور سالکین کو پیش آنے والے علمی و حالی اشکالات سے تسلی بخش طریقے سے نجات دینا۔ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ جیسے مقامات سے گزار کر مقامِ احسان تک اس کو پہنچانا۔ عالمِ غیب کے رُمو ز و اسرار سے رفتہ رفتہ اُس کی مناسبت پیدا کر کے، ان کے حقائق کو سمجھنے کی استعداد اُجاگر کرنا۔ بے استعداد یا ضعیف الاستعداد سالکین پر انکاس کی وجہ سے کھلنے والے کشف کو بنا طرِ مصلحت بند کرنا۔ واقعات و منامات کی صحیح تعبیر کی عکاسی کرنا۔ سالکین کے علاوہ عام ملاقاتی حضرات کی حقیقت پر مطلع ہونا؛ تاکہ نزل و اکلِ رجل منزله پر عمل کیا جاسکے اور پھر سب کچھ کے باوجود اپنی حقیقت کو ان کی آلودگیوں سے بچائے رکھنا۔ اپنے اور سالکین کے اعمال و اشغال کے انوار و اثرات پر علمی و حالی پوری پوری گرفت رکھنا۔ مجلسِ یہ مختلف الجہات و ارد شدہ کیفیات کے اسباب پر نظر رکھنا۔ غرضیکہ اس قسم کی بیسیوں وجوہ کے اسبابِ علل، ثمرات و نتائج پر علماً و تصرفاً پوری طرح حاوی رہنا۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے اکثر صفات کا مدار کشف و ادراکِ باطنی پر ہے۔ جن کا مدار ریاضتِ دائمی اور تقہ جلال پر ہے۔ آج کل دورِ حاضر میں نظام کے با کثر الوجوہ سودی ہونے کی بنا پر رزقِ حلال تقریباً مفقود ہے ہر جگہ کمزور یا مشتبہ طعام سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان حالات میں حتی الوسع احتیاط و تقویٰ کو ملحوظ رکھنا۔

سودی نظام ہے اور یہ تقویٰ کی آرزو کتنا حسین فریب ہے جو کھار ہے ہیں ہم  
 اور پھر ریاضتِ دائمی کے لیے حضرت حق جل مجدہ کے عشق و محبت سے سرشار ہونے کی بنا پر سا لہا سال کی شبہائے  
 تاریک کو روشن و زندہ رکھ کر اس شعر کا مصداق بننا:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی  
 غرضیکہ پیری کے یہ لوازم و آثار کم از کم دورِ حاضر کے لحاظ سے اتنے مشکل اور کٹھن ہیں کہ جوئے شیر لانے کے مترادف  
 ہیں۔ ان لوازم و آثار کے ہوتے ہوئے پیری کو ایک عام اور آسان سا کام سمجھنا؛ خالی از خرد ہونے کی علامت ہے۔ دورِ حاضر  
 میں پیری کے ان لوازم و آثار کے ساتھ امامِ وقت حضرت خواجہ پوری طرح متحقق اور متصف تھے۔ اگرچہ پیری کے اس رُخ کے  
 ساتھ ساتھ معاشرہ میں رسمی پیری کا ایک دوسرا رخ بھی بہت وسیع حد تک موجود ہے جس کی عکاسی یہ شعر پوری طرح کر رہا ہے:

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن میراث میں آئی ہے انہیں مسد ارشاد  
 چنانچہ حضرت خواجہ جیسے مشائخ کو ہر وقت مریدوں کے جلو میں گھرے ہوئے دیکھ کر لپٹانے والے راغبیر اسی غلط فہمی کی  
 بنا پر، پیر بننے کی سعی لا حاصل میں ہر ناجائز ہتھکنڈوں تک استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ لیکن خالی از روحانی کمالات  
 آدمی کو یہ کون سمجھائے کہ پیری تو اوپر سے نازل ہوتی ہے ایڑی چوٹی کا زور لگانے سے اور اویچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے  
 سے نہیں حاصل ہوتی:

اِس سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ



نے وحدۃ الوجود کا انکار نہیں فرمایا؛ وہ فرماتے ہیں: سالکین راہ کو وسط میں یہ کیفیت بعض پر وارد ہوتی ہے اور بعض پر وارد نہیں ہوتی اور انتہا میں اس کیفیت کی بجائے وحدۃ الشہود کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرات نے لکھا ہے کہ جس پر یہ کیفیات وارد نہ ہوں، اُس کو اس پر کلام نہیں کرنا چاہیے!! احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے، فقیر اپنے اندر اس سے زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ افسوس ہے!! کہ فقیر اس سلسلہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ فقیر بفضلہ تعالیٰ بعافیت ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔ فقیر آپ سب حضرات کی صحت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔ فقیر کی طرف سے سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام“

یہ مکتوب حضرت خواجہ نے وفات سے چوبیس سال قبل تحریر فرمایا ہے۔

حضرت خواجہ نے باوجود مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے اصل اختلاف سے احتیاطاً پہلو تہی فرماتے ہوئے معذرت فرمائی ہے۔ لیکن جیسے کہ قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ اس مسئلہ کو بالمشافہہ حضرت سے مختلف مجالس و مواقع میں استفسارات کر کے بندہ نے سمجھا ہے اور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اور امام وقت حضرت خواجہ کے فرمودات کا حاصل جو کچھ ہے؛ کافی ساتھیوں کے عرصہ دراز کی خواہش اور اصرار پر نقل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ باذوق حضرات خصوصاً علوم مجددیہ کے شائقین کے لیے فائدے کا باعث ہوگا۔

وحدۃ الوجود کا اطلاق دو مقامات پر ہوتا ہے:

۱۔ دوران سلوک عروج اور حال کی ایک منزل پر۔

۲۔ حقیقت کائنات کے ضمن میں۔

۱۔ ”توحید وجودی“ یا ”ہمہ اوست“ در عروج و حال: طالب حق جب کسی کامل مکمل شیخ کی اجازت سے، نیز ذکر و فکر و مراقبات کی کثرت سے تصفیہ و تزکیہ سے اپنے لطائف کو منور اور مزین کر لیتا ہے۔ عالم امر اور ملکوت سے پوری پوری مناسبت حاصل کر کے دائرہ امکان سے گزر جاتا ہے۔ تو بعض سالکین کو (اغلب ہے کہ وہ مجذوب سالک ہوتے ہیں) سیر برزخی اور ظلی کی انتہاء میں اور سیر اصلی و صفتی کی ابتداء میں آنحضرت جل مجدہ کے غلبہ محبت کی بناء پر؛ اچھے اور برے آئیوں میں؛ یعنی مظاہر خیر و شر میں محبوب کی وحدت کا جمال مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہر اچھے بُرے فعل کو اسی کا فعل پاتا ہے۔ غلبہ حال کی وجہ سے تمیز رفع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آئینہ سے غافل ہو کر؛ مظہر کو ظاہر کا عین، مخلوق کو خالق کا عین جانتا ہے۔ ہر چہ خوابا کند خوب آمد کے تحت ایمان کی طرح کفر کو بھی اُس کا فعل جان کر بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ غرض یہ کہ اسی مغلوبیت کی بنا پر امیہ خسرو کی طرح

بر چہ آید در نظر غیر تو نیست یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

کے راگ الاپتا ہے۔ حسن بن منصور حلاج کا:

کفرت بدین اللہ و الکفر واجب لدی و عند المسلمین قبیح

کہتے رہنا۔ امام ربانی کا:

کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

اپنے مرشد محترم کو تحریر فرمانا۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا:

غافل از خود ماند از صورت چوں پر شد آئینہ تا ترا شناختم جانان ز خود بیگانہ ام  
گنگنائے رہنا۔ بایزید بسطامی کا: لیس فی جبتی سوی اللہ کا اظہار کرنا۔ شیخ جامی کا:  
در ہرچہ نظر کردم غیر از تو نمی بینم غیر از تو کسے باشد حقاً چہ مجال است این  
کے زمرے کا۔ یہ سب اسی مقام کے پرتو، کیفیات اور پھول ہیں۔  
مجنون کا لیلیٰ کے عشق مجازی میں:

أمرّ علی الدیار دیار لیلی اقبل ذا الجدار وذا الجدارا  
کے ترنم سے انہی کیفیات کا اظہار ہے۔

چونکہ توحید و جود کی یہ حال آنحضرت جل سلطانہ کے غلبہ محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور مقدمہ فنا ہے۔ گذشتہ  
مقامات کی بہ نسبت محمود ہے۔ لیکن چونکہ دوئی اور کثرت؛ نظر سے ساقط نہیں ہوتی، علم الیقین کی قسم سے ہے اور سالک کے  
وجود کو فنا نہیں بخشتا؛ اس لیے ناقص مقام ہے۔ سالک کو اس مقام سے جلد گزر جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ دید اور مشاہدہ، غلبہ حال  
کی وجہ سے ہیں۔ نفس الامر کے مطابق نہیں یعنی مظہر، عین ظاہر نہیں۔

یہ مندرجہ بالا تمام مشائخ اس مقام میں رہے ہیں لیکن بالآخر اس سے گزر کر بلند مقامات پر پہنچے ہیں۔ اس مقام والوں  
کو ”وجود یہ عینیہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ مقام سلوک میں ہر ایک کو پیش نہیں آتا بلکہ حسب استعداد بعض کا عبور  
اس مقام میں ہوتا ہے۔ اس کی مثال مشائخ نے یوں دی ہے کہ رات کے وقت ستاروں کی روشنی کو اصحاب بصیرت سورج کی  
روشنی کا پرتو کہتے ہیں۔ لیکن سورج کے غلبہ محبت اور کمال روشن ہونے کی وجہ سے ستاروں میں اس کے نور کے عکس کو دیکھ کر  
ستاروں کو بھی سورج کہتے پھرنا!؛ ظاہر ہے کہ یہ دید اور شہود خلاف واقعہ ہے۔

لیکن یہ توحید و جود کی مقام باوجود ناقص ہونے کے اسی وقت محمود ہوگا جب غلبہ محبت کے حال کی وجہ سے ہوگا۔ جیسے کہ  
مشائخ کو عنایت ہوا ہے لیکن اگر محض قال اور تکرار کی حد تک ہے؛ مشائخ کی پیروی میں ان کے حال کی علمی عکاسی کی حد تک  
ہے تو انتہائی مذموم ہے۔ کیونکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ اس مقام میں بھی شرع شریف پر پوری طرح کار بند رہے ہیں۔ باوجود  
غلبہ حال کے سر موثر بیعت سے تجاوز نہیں کیا۔ لیکن محض قال رکھنے والے چونکہ تمام کوئی تعینات کو حضرت حق ہی کہتے پھرتے  
ہیں؛ شرع شریف سے مادر پدر آزاد ہوتے ہیں۔

پرانے وقتوں میں ایسے ملحد لوگ ہر دور میں بے شمار ہوئے ہیں۔ دین اکبری کی بنیاد اور دارالشمکوہ کے نظریات کی اساس  
بہی لوگ ہوئے ہیں۔ امام ربانی نے ملنوبات میں جا بجا اور حضرت خواجہ نے گزشتہ مکتوب میں ملحد اور بے دین کہہ کر انہی  
لوگوں کا رد کیا ہے۔ بندہ نے اس دور میں اپنی زندگی میں صرف ایک آدمی اس طرز کا دیکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی ایسے لوگ  
پائے جاتے ہوں۔ عرصہ ہوا کہ اسلام آباد سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پرانے صوفی بزرگ کے مزار پر جانا ہوا۔  
جب ہم واپس نکلنے لگے تو سجادہ نشین صاحب کا خادم ہمارے استقبال میں کھڑا تھا۔ علیک سلیک کے فوراً بعد سجادہ نشین صاحب  
بھی آن وارد ہوئے۔ بڑے اصرار سے اپنے ساتھ لے گئے۔ مزار کے احاطے میں چمن کے لان میں کرسیاں بچھی ہوئی  
تھیں، ان پر بیٹھنا ہوا۔ انہوں نے خادم کو چائے لانے کا آرڈر دیا اور خود باتوں باتوں میں اپنا حد و دار بصر بیان کرنا شروع کیا۔  
ظاہری جسم پر شرع شریف کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ ڈاڑھی شریف بالکل غائب تھی۔ ٹوپی رومال کا بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ رفتہ رفتہ

اسی وحدت الوجود کی رسمی تکرار شروع کی اور چائے کے وقفے کے علاوہ گھنٹہ ڈیڑھ اسی میں صرف کر دیا۔ جانوروں حتیٰ کہ سانپ، بچھو تک کو نعوذ باللہ حضرت حق بتایا۔ میری پنجس نظروں سے بھانپ گئے اور کہا کہ میں نے بھی بہت ریاضت کی ہے۔ پورے نو سال رات دن ایک کر دیا تھا۔ بڑی بڑی متشرع ڈاڑھی تھی، لیکن اتنی کڑی ریاضت سے جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو بایوسی کا شکار ہو کر پوری ڈاڑھی منڈوا کر، نہکانہ صاحب میں گورونانک صاحب کے نام ہدیہ کر آیا ہوں۔ نعوذ باللہ!!

بندہ نے بار بار اٹھنے کی کوشش کی لیکن اُن کی پھرتی نے ایک نہ چلنے دی اور کہا کہ آپ جیسے لوگ ایسی جگہوں پر ضرور آتے رہنے چاہئیں۔ بمشکل جان چھڑائی تو رخصت کرنے کے لیے گیٹ تک آئے۔ سلام لیتے وقت ہاتھ تھامے تھامے مزید آدھ پون گھنٹہ اسی بحث میں صرف کر گئے۔ پندرہ سال گزر گئے ہیں باوجود اس صوفی بزرگ کے مزار پر فاتحہ خوانی کا شوق رکھنے کے، صرف انہی سجادہ نشین صاحب کی وجہ سے دوبارہ نہیں جا سکا۔ سنا ہے کہ اب تو وہ اس بحث میں بالکل فنا ہو چکے ہیں اور علماء کرام اُن کے کفر کا فتویٰ تک دے چکے ہیں۔

الغرض توحید و جود کا مقام بصورت حال محمود لیکن ناقص ہے۔ جبکہ بصورت حال سراسر خلاف شرع ہے اور کفر کی دبلیز تک پہنچانے والا ہے۔ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس توحید و جود کا جو انکار معروف و مشہور ہے۔ وہ نفس مقام کا انکار نہیں بلکہ اس مقام کے مقام کمال ہونے کا انکار ہے۔ ورنہ امام ربانی خود بھی سالہا سال دوسرے مشائخ کی طرح اس مقام میں رہ چکے ہیں اور کتب و شریفہ میں ابتدائی تمام کتب و بات کے معارف و علوم اسی مقام سے ناشی ہیں۔

۲۔ ”توحید شہودی“ در حال عروج: گزشتہ سالک کو آنحضرت جل سلطانہ توحید و جود سے ترقی بخشے ہیں یا تمام سالکین بذریعہ بانی پاس اس مقام سے پار ہو جاتے ہیں۔ تو تمام مظاہر خیر و شر، نظر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ دیدہ بصیرت میں صرف اور صرف حضرت حق جل مجدہ کا شہود باقی رہ جاتا ہے۔ جیسے دن کے وقت سورج کے نکلنے سے تمام ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام فنا ہے اور اس راہ کی ضروریات میں سے ہے۔ کوئی سالک اس مقام سے گزرے بغیر ولی نہیں بن سکتا اور اسی کو عین البقیین کہتے ہیں۔

یہ مقام چونکہ سالک کے وجود کو فنا بخشتا ہے؛ اس لیے توحید و جود کی یہ نسبت مقام کمال ہے۔ اس مقام کو ”توحید شہود حقیقی“ یا صرف ”اوست“ کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ سالک جب تک زندہ ہے بلحاظ شرع مخلوقات کے حقوق کا مکلف ہے۔ اس لیے یہ مقام باوجود پہلے مقام سے کمال ہونے کے آئندہ مقامات کی بہ نسبت مقام نقصان ہے۔ فنا کی وجہ سے بہت سارے حقوق سے عہدہ برآں نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی ولایت، فنا اور بقاء دونوں چیزوں کے بغیر تحقق نہیں ہوتی۔ اس لیے اس مقام سے بھی توحید و جود کی طرح گزرنا چاہیے ورنہ ولایت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ امام ربانی نے جس معنی میں توحید و جود کا انکار فرمایا ہے؛ اسی معنی میں اس توحید شہودی کا بھی انکار فرمایا ہے۔ صرف اول کی بہ نسبت اس کو کسی قدر اعلیٰ بتایا ہے۔

۳۔ ”توحید شہودی ظلی“ یا ”ہمد آز اوست“: جب سالک کو توحید شہودی اور مقام فنا سے مقام بقاء میں پہنچاتے ہیں۔ تو قبل از فنا، وجود حقیقی کے ساتھ مشہود ہونے والی تمام کائنات، مخلوقات اور کثرت؛ جو مقام فنا میں نظر سے غائب ہو گئی تھی، دوبارہ وجود ظلی کے ساتھ نظر میں واپس آ جاتی ہے۔ یہ مقام بقاء ہے؛ جس میں حضرت حق جل مجدہ کا شہود اپنے وجود حقیقی کے ساتھ اور مخلوقات کا شہود، وجود ظلی کے ساتھ نظر میں رہتا ہے اور دونوں کے حقوق علیٰ حسب المراتب پورے پورے ادا ہو سکتے ہیں۔ اسی کو حق البقیین کہتے ہیں۔

اور مجددی حضرات کو جو ”شہودِ یَظَلِّیَہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؛ وہ اسی مقام کی مناسبت سے ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ تمام کامل اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مقام کے حامل ہوئے ہیں۔ خواہ وہ ”وجودیہ“ کہلاتے ہوں یا ”شہودیہ“۔

”شہودیہ“ کو اس مقام میں ”شہودِ یَظَلِّیَہ“ اور ”وجودیہ“ کو اس مقام میں ”وجودِ یَورائیہ“ سے موسوم کرتے ہیں اور نام میں فرق اس فکر و اعتقاد کی وجہ سے ہے جس کو عنقریب بندہ وحدۃ الوجود کے دوسرے اطلاق: ”حقیقتِ کائنات“ میں اختلاف کے ضمن میں بیان کرے گا اور بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جس طرح امام ربانیؒ نے وحدۃ الوجود کا انکار فرمایا ہے اسی طرح ”وحدۃ الشہود“ یا ”شہودِ ظلی“ یا ”ہمہ از اوست“ کا بھی انکار فرمایا ہے اور اس کو باوجود مقام کمال بتانے کے راستے کا ایک مقام بتایا ہے اور مقصد کو اس سے بہت اوپر بتایا ہے!!

**فائدہ عظیمہ:** عام مشہور اصطلاح کے مطابق علم الیقین کا معنی ہے: دھواں دیکھ کر آگ کا یقین ہو جانا اور عین الیقین کا معنی ہے: براہ راست آگ کو دیکھ کر آگ کا یقین ہو جانا اور حق الیقین کا معنی ہے: آگ میں ہاتھ ڈال کر یا سینک کر آگ کا اعلیٰ یقین حاصل کرنا۔

گذشتہ تینوں اقسام تو حید میں ان تینوں اقسام کا اطلاق اسی اصطلاح کے مطابق کیا گیا ہے جو عام صوفیاء کی اصطلاح ہے، لیکن امام ربانیؒ کے نزدیک راہ سلوک میں یہ تینوں اقسام اثر کی طرف راجع ہیں۔ کیونکہ حضرت حق جل مجدہ کی رویت، باوجود ممکن ہونے کے اس دنیا میں غیر واقع ہے۔ لہذا علم الیقین کا معنی ہوگا: دھوئیں کے علم سے آگ کا یقین ہونا۔ عین الیقین کا معنی: دھواں دیکھ کر آگ کا یقین ہونا اور حق الیقین کا معنی ہوگا: دھوئیں سے متحقق ہو کر آگ کا یقین ہونا۔ آگ تینوں صورتوں میں نظر نہیں آئیگی۔ جیسے کہ حضرت حق یقین کی تینوں صورتوں میں مرئی نہیں ہونگے۔ ہاں! بصارت اور رویت کی بجائے دیدہ بصیرت کے اطلاق میں ممکن ہوگا۔

مذکورہ بالا فنا و بقا، نیز ظاہر اور مظہر میں اتحاد یا ظلیت کی نسبت چونکہ تجلی یا صفی کی فنا و بقا سے وابستہ ہے اور امت مرحومہ کے اکثر مشائخ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی مقام میں ہوئے ہیں، اس سے اعلیٰ مقامات یا تجلی ذاتی دائمی کا مورد و محیط بننا چونکہ کروڑوں اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے خال خال کسی محمدی المشرق کا حصہ ہے اور اس آخری دور میں مجددی نسبت کے خواص میں سے ہے اور یہ وہ کمالات ہیں جو الف ثانی میں امام ربانیؒ کی براہ راست حضرت حق جل مجدہ کے تربیت فرمانے سے منصفہ ظہور میں آئے ہیں۔ جن کو ”کمالات ثلاثہ“، ”حقائق انبیاء“ و ”حقائق الہیہ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور امت میں انتہائی اعلیٰ استعداد رکھنے والے چیدہ چیدہ حضرات کو حاصل ہوئے ہیں اور سورۃ واقعہ کے قلیل مسن الاخرین سے یہی لوگ مراد ہیں۔

**۴۔ نسبتِ خالقیت و مخلوقیت:** جب کسی انتہائی اعلیٰ استعداد کے حامل سالک پر آنحضرت جل مجدہ نظر کرم فرما کر کمالاتِ نبوت کا انوکاس فرماتے ہوئے تجلی ذاتی سے بہرہ ور فرماتے ہیں۔ تو کمالاتِ ولایت کی تمام نسبتیں کا فوراً ہو جاتی ہیں۔ کمالاتِ نبوت کے سامنے کمالاتِ ولایت کی اتنی حیثیت بھی نہیں جتنی سمندر کے سامنے ایک قطرہ حقیرہ کی!! چنانچہ اس نسبت کے وارد ہونے پر سابقہ اتحاد و ظلیت کے دعوے بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ حضرت حق جل مجدہ خالق مطلق اور تمام کائنات مخلوق محض، حضرت حق قادر مطلق رب اور تمام ممکنات عاجز محض نظر آتی ہیں؛ جیسا کہ شرع شریف میں قرار پایا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰت و التسلیمات کی تعلیمات اور آسمانی کتب کا خلاصہ یہی نسبت اور عقیدہ ہے اور تمام



مکلفین اسی عقیدہ کے مکلف ہیں۔ امام ربانیؒ پر جب یہ نسبت وارد ہوئی تو فرمایا:

”اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے کہ مخلوقات اور ممکنات کو عین ظاہر یا غل ظاہر کہہ سکے۔ مخلوقات کی اتنی حیثیت کہاں سے آگئی کہ اتحاد و ظلیت اس کے نصیب ہو سکے!!“

اس کو نسبتِ غیب الغیب اور مقامِ عبدیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ نسبت عام اولیاء کرامؒ کی دسترس سے بالاتر ہے تو اس کے علوم و معارف بھی یقیناً ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں گے۔ امام ربانیؒ نے اس نسبت کو سلوکِ تصوف کا مقصد بتایا ہے اور گزشتہ تمام مقامات کو راستے کی منازل اور مقصد کے سامنے ناقص مقامات بتایا ہے۔ حق یہ ہے کہ جب تک ”ذاتِ بحت“ تک عروج اور ”عدمِ صرف“ تک نزول واقع نہ ہو سالاک؛ خالق و مخلوق میں پورا پورا امتیاز نہیں کر سکتا اور شرکِ خفی اور خفی کی تارکیبوں سے نجات نہیں پاسکتا۔ اسی لیے امام ربانیؒ کا اپنے دور کے بارے میں فرمان ہے:

”کہ میں جب نظر کشفی سے دیکھتا ہوں تو پورے جہان میں صرف ایک آدمی کے کلمہ کو آنحضرت جل سلطانت تک

پہنچا ہوا پاتا ہوں۔ باقی سب کے کلمے علی حسب المراتب راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔“

فللہ درالشیخ المسجددؒ ظاہر ہے کہ اس سے امام ربانیؒ کا اپنے انتہائی کمالِ قرب و معرفت کی طرف اشارہ ہے۔

## ۲۔ ”توحید و جودی“ یا ”وحدۃ الوجود“ کا دوسرا اطلاق:

”توحید و جودی“ یا ”وحدۃ الوجود“ کا دوسرا اطلاق ”حقیقت کائنات“ کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ اس پر تمام مشائخ صوفیاء کا اتفاق ہے کہ وجود حقیقی صرف ایک ہے اور وہ وجود آنحضرت جل سلطانت کا ہے۔ وحدۃ الوجود پر اتفاق کا یہی معنی ہے لیکن اس اتفاق کے باوجود اس میں اختلاف ہے کہ یہ اتنی طویل و عریض کائنات اور ممکنات کی کثرت جو سب کو نظر آ رہی ہے یہ جودی نہیں رکھتی ہے کیا؟! پھر اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس اختلاف کو سمجھنے کے لیے چند مقدمات کو سمجھنا از بس ضروری ہے:

مقدمہ اولیٰ: شیخ اکبر شیخ ابن عربیؒ اور ان کے تبعین کے ہاں خارج میں صرف حق جل مجدہ کی ذات پاک موجود ہے اور کوئی چیز موجود نہیں حتیٰ کہ حضرت حق تعالیٰ شانہ کی صفات بھی خارج میں علیحدہ موجود نہیں بلکہ اس کے اسماء و صفات، حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں اور نیز ایک دوسرے کے بھی عین ہیں: مثلاً علم و قدرت؛ جس طرح عین ذات باری تعالیٰ ہیں اسی طرح علم، عین قدرت ہے اور اس کا عکس اور یہ بھی فرماتے ہیں: کہ اس مقام میں تعدد و تکثر کا کوئی نام و نشان نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ اسماء و صفات، شیون و اعتبارات نے حضرت حق کے علم میں اجمالی اور تفصیلی طور پر تمایز پیدا کیا ہے۔ خارج میں یہ تمایز و تمایز مفقود ہے۔ چنانچہ اس کی تعبیر انہوں نے بدیں الفاظ کی ہے:

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات با ذات تو از روئے تحقیق ہمہ عین

جبکہ امام ربانیؒ کے ہاں حضرت حق جل مجدہ کی ”صفاتِ ثنائیہ“، ذات پاک کی طرح خارج میں موجود اور متمیز ہیں۔ جیسا کہ اہل حق علماء ماتریدیہ کے ہاں مقرر اور ثابت ہے۔ اگرچہ اشاعرہ تکوین کے سوا، ”صفاتِ سببہ“ کے قائل ہیں۔ پھر جس طرح صفاتِ ثنائیہ خارج میں حضرت حق سے متمیز ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے سے بھی متمیز ہیں۔ اگرچہ تمیز بھی بے کیف و بے چون ہے۔ یعنی قدرت، علم کا عین نہیں اور نہ ہی اس کا عکس ہے۔ اس خارجی تمایز کے ساتھ ساتھ حضرت حق جل مجدہ کے علم میں بھی یہ صفات متمایز و متباین ہیں۔ جیسے کہ پہلا گروہ بھی اس کا قائل ہے۔ امام ربانیؒ کے ہاں حضرت حق کے علم میں ان صفات و اسماء کے تمایز کے ساتھ ساتھ ان کے نقائص بھی متمیز ہیں اور انہوں نے بھی مرتبہ علم میں تفصیل پیدا کی ہے: مثلاً

مرتبہ علم میں صفت علم کا مقابل عدم علم ہے؛ جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح صفت قدرت کے مقابل عدم قدرت ہے؛ جس کو عجز کہا جاتا ہے۔ گویا کہ مرتبہ علم میں صفات کی طرح عدمات متقابلہ نے بھی تمایز حاصل کیا ہے۔

**مقدمہ ثانیہ:** شیخ اکبرؒ اور عام صوفیاء کے ہاں حضرت حق تعالیٰ کی حقیقت ”واجب الوجود“ ہے اور ”وجود“ ذات باری تعالیٰ کا عین ہے۔ جبکہ امام ربائی کے نزدیک حضرت حق جل مجدہ کی ماہیت اور حقیقت ”ذات محض“ ہے اور ”وجود“ اس سے زائد ہے مثل الصفات۔ رہا یہ کہنا: کہ ماہیت کا تحقق اور تقرر ”وجود“ کے بغیر کیسے ممکن ہے؟! تو یہ بات ممکنات کی حد تک تو درست ہے کہ ممکنات کی ماہیات اپنے تحقق اور تقرر میں وجود کی محتاج ہیں لیکن یہ فلسفیانہ اصول حضرت حق پر جاری نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ذات پاک وجود کی محتاج ہے:

فلسفی را چشم حق بین سخت نابینا بود گر چه نیکن باشد و یا بوعلی سینا بود  
یعنی جس طرح ذات پاک با وجود جامع الکمالات ہونے کے مرتبہ ذات میں صفات سے پوری طرح مستغنی ہے اسی طرح با وجود واجب الوجود ہونے کے مرتبہ ذات میں وجود سے بھی پوری طرح مستغنی ہے لہذا ”وجود“، عین ذات نہیں بلکہ انحصار صفات میں سے ہے۔ یہ معرفت طور عقل سے بالاتر ہے اور صفات کے خارجی ہونے کی طرح مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے۔ چنانچہ امام ربائی کا فرمان ہے:

”جب اس درویش کا ”وجود“ کے مرتبہ سے اوپر گزرا ہوا تو جب تک وہ حال مجھ پر غالب رہا، اپنے آپ کو ذوق و وجدان سے ارباب تعظیم میں پاتا تھا۔ مرتبہ ذات میں ”وجود“ کی گنجائش نہ پاتا تھا۔ کیونکہ ”وجود“ کوراستہ میں ہی چھوڑ آیا تھا۔“

صوفیاء میں سے اس معرفت میں امام ربائی کے ساتھ ”شہود یہ غیر یہ“ کے شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ بھی شریک ہیں۔ ان کا قول ہے کہ: فوق عالم الوجود عالم المملک الودود۔ اسی طرح علماء اہل حق بھی اس معرفت میں شریک ہیں۔ ان کا فرمان ہے: ”وجود واجب تعالیٰ زائد است بر ذات او سبحانہ“۔

**مقدمہ ثالثہ:** عام صوفیاء کرام کے نزدیک ”تعیین اول“ یا ”وحدت“، تعین علمی ہے۔ جس کو ”حقیقت محمدیہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن امام ربائی نے تعین علمی سے اوپر ”تعیین وجودی“، اس سے اوپر ”تعیین حیاۃ“، اور ”تعیین اول“، ”تعیین جہی“ کو بتایا ہے۔ شیخ سمنانی کے مندرجہ بالا قول سے بھی ”وجود“ کے اوپر ”ودود“ کے لفظ میں اسی ”تعیین جہی“ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ امام ربائی کے ہاں تمام وہ صوفیائے کرام جن کا عروج، اہمال علم تک ہوا ہے اور انہوں نے ”تعیین اول“، ”تعیین علمی“، بتایا ہے؛ علم سے اوپر کے مراتب تک رسائی حاصل نہیں کر سکے اور ان مراتب کو مبدأ سے جدا نہیں کر سکے۔

ظاہر ہے کہ عام صوفیائے کرام اپنے مشائخ سے تربیت یافتہ ہیں اور زیادہ سے زیادہ صدی کے مجدد ہیں۔ جبکہ امام ربائیؒ براہ راست حضرت حق کے تربیت یافتہ اور الف ثانی کے مجدد ہیں۔ مشائخ کی تربیت اور حضرت حق کی تربیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے!!

**مقدمہ رابعہ:** عام صوفیائے کرام کے ہاں ”صورت شی“، عین شی ہے۔ جبکہ امام ربائی کے نزدیک صورت شی، شی کا شیخ و مثال ہے؛ عین نہیں ہے۔ آئینے میں نظر آنے والی آگ کی صورت، اگر خارجی آگ کا عین ہوتی تو صورت بھی جلاتی جبکہ صورت جلانے کا کام نہیں کرتی۔

مقدمہ خامسہ: کہ ”وجود“ ہر خیر و کمال کا مبداء ہے اور تمام کمالات ”وجود“ کی طرف راجع ہیں۔ جبکہ ”عدم“ ہر نقص و شرارت کا منشاء بلکہ سراسر شرارت ہے اور تمام نقائص اور عیوب اسی کی طرف راجع ہیں۔

ان مقدمات خمسہ کے بعد کائنات کی حقیقت سمجھئے:

یہ مشاہد و محسوس عرصہ کائنات و ممکنات شیخ ابن عربیؒ اور ان کے تبعین کے نزدیک ”حضرت وجود“ ہے۔ جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں اور یہ حق تعالیٰ کی ذات کا وجود ہے۔ جس کو ”ظاہر وجود“ بھی کہتے ہیں۔ آنحضرت جل سلطانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنے علم ازیلی میں تمام ممکنات و کائنات کی جو صورتیں تجویز فرمائی ہیں۔ یہ صورتیں علم علیہ متکثرہ جن کو ”باطن وجود“ اور ”ایمان ثابتہ“ بھی کہتے ہیں۔ جب ”ظاہر وجود“ کے آئینے میں منعکس ہوتی ہیں، تو کثرت نظر آتی ہے۔ جس طرح کہ آئینے میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر وجود تجلی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح ان صورتیں علم علیہ متکثرہ نے وجود تجلی پیدا کیا ہے۔ خارج میں ”احدیت مجردہ“ کے سوا کچھ موجود نہیں۔ لیکن چونکہ اس تجلی اور متوہم عکس کو ابدی عذاب و ثواب کی خاطر حضرت حق نے ثبات و استحکام بخشا ہے۔ اس لیے وہم و تخیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور مندرجہ بالا مقدمات میں گزر چکا کہ ان کے نزدیک صورت علم علیہ، علم کا عین ہے اور علم عین ذات ہے۔ اسی طرح وجود بھی عین ذات ہے۔ اس لیے تمام متوہم اور تخیل کائنات پر ”اتحاد“ کا حکم کیا ہے اور ”ہمہ اوست“ کہا ہے۔ چنانچہ ان ابیات میں اسی نظریہ کی عکاسی ہے:

ہم سایہ و ہم نشین و ہمراہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شبہ ہمہ اوست  
در انجمن فرق و نہانخانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

اسی طرح مولوی جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

مجموعہ کون راہ بقانون سبق کردیم تصفح ورقا بعد ورق  
حقا کہ ندیدیم ونخواندیم درو جز ذات حق وشیمون ذاتیہ حق

لیکن ان کے اس نظریے پر ممکنات اور کائنات کی شیطانیوں، شرارتوں، عیوب و نقائص کی زد جب پڑتی ہے تو کہتے ہیں: کہ ذاتی نقص و شرارت کسی چیز میں نہیں صرف نسبی اور اضافی ہے۔ لیکن امام ربائی کے نزدیک کائنات کی حقیقت، مقدمہ اولیٰ میں ذکر شدہ ”اعدام متقابلہ“ ہیں۔ جن میں صورت علم علیہ کے عکس جلوہ گر ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ ”اعدام متقابلہ“ اسماء و صفات کے عکس سمیت حقائق ممکنات ہیں۔ ”اعدام“ بمنزلہ ”ہیولی“ ہیں اور ”عکوس“ بمنزلہ صورت ہیں۔ قادر مختار جل شانہ جب چاہتے ہیں کہ ان ماہیات ممتازہ میں سے کسی ماہیت کو موجود فرمائیں؛ تو حضرت وجود کا پرتو، وجود ظلی اس ماہیت پر منعکس فرما کر آثار خارجیہ کا مبداء بنادیتے ہیں۔ گویا کہ ممکنات کے وجود اور صفات سب کے سب وجود حقیقی اور صفات باری کے ظلال اور عکوس ہیں۔ جو ”اعدام متقابلہ“ میں منعکس ہوئے ہیں۔ ”اعدام“ میں چونکہ خباثت، ذاتی اور شرارت، اصلی و تجلی ہے؛ اس لیے تمام عیوب و نقائص کا منبع ہیں۔ آئیہ کریمہ ما أصابك من حسنة فمن الله وما أصابك من سيئة فمن نفسك سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

غرض یہ کہ کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے؛ سب کچھ ممکنات کی قسم سے ہے۔ اگرچہ بعض سالکوں کو وہ مشہور، ”واجب“ کے ساتھ متوہم ہوتا ہے اور مقدمات میں گزر چکا ہے کہ امام ربائی کے نزدیک صورت شئی، عین شئی نہیں۔ صفات عین ذات نہیں۔ ”وجود“ زائد از ذات ہے۔ اس لیے ممکن عین واجب نہیں ہو سکے گا اور ”ہمہ اوست“ کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ

”ہم ازوست“ کہنا ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا، جانا گیا، سب غیر ہے۔ کلمہ ”لا“ سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔

خلق را وجر کے نماید او در کدام آئینہ در آید او حاصل یہ ہے کہ توحید و جودی کے قائلین یا شیخ اکبر کے ہاں کائنات کی حقیقت، حضرت حق کے ”ظاہر وجود“ کے آئینہ میں صور عالیہ متکثرہ کے انعکاس و تلبس سے محسوس و مشاہد، موجود نما کثرت موصومہ ہے۔ جو نقطہ جہ الہ کے دائرہ موصومہ کی مانند ہے اور توحید شہودی کے قائلین یا امام ربانی کے نزدیک کائنات کی حقیقت، ”اعدام متقابلہ“ کے آئینوں میں اسماء و صفات کے عکوس کے انعکاس سے ظل، خارج میں موجود ظلال خارجہ ہیں۔ چونکہ دونوں نظریات کے آئینے ”وجود“ و ”عدم“ سراسر ایک دوسرے کی ضد اور متقابلین ہیں۔ اس لیے دونوں نظریات میں تطبیق یا اختلاف و نزاع لفظی ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ دونوں نظریات میں سے کونسا نظریہ حضرت حق جل مجدہ کی تقدیس و تزیینہ کے قریب ہے!!

### فائدہ عظیمہ خاصہ

جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا کہ دوران سلوک امام ربانی ان تمام منازل و مقامات سے گزرے ہیں۔ ہم ازوست، صرف ازوست، ہم از اوست، اور بالآخر کمالات نبوت تک رسائی سے حضرت حق اور کائنات کے درمیان صرف نسبت خالقیت و مخلوقیت کے نظریہ شرعیہ تک انتہا ہوئی۔ چونکہ انما الاعمال بالحو اتیم کے تحت اعتبار قول آخر کا ہوتا ہے؛ حال چونکہ قال میں ذخیل اور اثر انداز ہوتا ہے؛ امام ربانی کے مکتوبات شریفہ کے اول سے آخر تک تمام مکاتیب بالترتیب انہی چاروں کیفیات اور احوال کی عکاسی کرتے ہیں۔ اب امام ربانی کو توحید و جودی یا شہودی کی بجائے قول آخر نسبت خالقیت و مخلوقیت کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔ جیسا کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰت و التسلیمات کی تعلیمات اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کا خلاصہ اور حاصل ہے۔ اب اس بحث میں الجھنا کہ امام ربانی توحید شہودی کے قائل تھے، توحید و جودی کے منکر تھے؛ سراسر فضولیات میں داخل ہے!! قبل ازیں گزر چکا کہ امام ربانی جس معنی میں توحید و جودی کے منکر تھے؛ اس کو مقام ناقص، راستے کی منزل اور مقصد سے کوسوں دور بتاتے تھے۔ اسی معنی میں توحید شہودی کے بھی منکر ہیں، اس کو بھی راستے کی منزل اور مقصد سے نیچے فرمایا ہے اور بنا بر حال کے جس معنی میں توحید شہودی کے قائل تھے اسی معنی میں توحید و جودی کے بھی قائل تھے۔ استشہاد کے طور پر امام ربانی کے ایک مکتوب کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ صورت حال بخوبی واضح ہو جائے۔ فرماتے ہیں:

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے تین گروہ ہیں:

۱۔ پہلا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ کائنات عالم حق تعالیٰ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے۔ یہ بزرگ گروہ اپنے تمام اعتقادات کلامیہ میں، جو کتاب و سنت اور اجماع کے موافق ثابت شدہ ہیں، علماء اہل سنت و جماعت کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے اور متکلمین اور ان کے درمیان سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں کہ متکلمین اس معنی کو علمی اور استدلالی طور پر جانتے ہیں اور یہ بزرگ کشف و ذوق کی بنیاد پر سمجھتے ہیں۔ اس گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت کے باعث ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جدا کر دیا اور کلمہ ”لا“ کے تحت لا کر سب کی نفی کر دی اور انہوں نے واجب کے ساتھ ممکن کی کوئی مناسبت نہیں دیکھی؛ سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو عاجز بندہ، مخلوق جانا اور اس عرشانہ کو اپنا خالق اور مولیٰ سمجھا۔

خود کا مولیٰ کا عین جاننا یا اس کا ظل اور سایہ سمجھنا، ان بزرگوں پر بہت گراں اور دشوار ہے: ما للتراب و رب الأرباب!!  
 ۲۔ دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہ و تعالیٰ کا ظل جانتا ہے مگر یہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم خارج میں اصالت کے طریقے پر نہیں بلکہ ظلیت کے طریقے پر موجود ہے اور اس کا وجود حق سبحانہ و تعالیٰ کے وجود سے قائم ہے۔ جس طرح کے ظل اپنے اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اس گروہ نے اگرچہ ممکن کے مراتب کو مبدأ سے جدا کر دیا اور کلمہ ”لا“ کے تحت لا کر اس کی نفی بھی کی۔ لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطے سے کچھ چیزیں ان کے وجود کے بقا کے ساتھ ثابت رہی۔ چونکہ ظل کا اصل کے ساتھ تعلق بڑا قوی ہے، اس لیے یہ نسبت ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو سکی۔ (دوسرے گروہ میں توحید شہودی یا شہود یہ ظلیہ کے نظریے کا اظہار ہے)

۳۔ تیسرا گروہ وحدت وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک موجود ہے اور بس، اور وہ صرف ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور عالم کا خارجی طور پر علمی ثبوت کے علاوہ ہرگز کوئی ثبوت نہیں اور کہتے ہیں: الأعبان ما شمت رائحة الوجود اگرچہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہ و تعالیٰ کا ظل کہتی ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ ان چیزوں کا وجود صرف جس کے مرتبہ میں ہے ورنہ نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔ جیسے نقطہ جو الہ سے دائرہ موصومہ: صرف جس کے مرتبہ میں ہے خارج میں معدوم ہے۔ اگرچہ یہ گروہ بھی اپنے درجات وصل و کمال میں تفاوت کے باوجود، واصل و کامل ہیں۔ لیکن ان کی ایسی باتیں مخلوق کو گمراہی، الحاد اور بے دینی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ گروہ ممکن کے بعض مراتب کو اگرچہ مبدأ اور واجب سے جدا کر سکا ہے لیکن تمام مراتب ممکن کو واجب سے جدا نہیں کر سکا ہے۔ خود کو علمی جاننا، خارجی نہ جاننا، مولیٰ کا عین جاننا، اسی کوتاہ نظری کے باعث ہے۔ (یہ نظریہ توحید و جودی والوں کا ہے)

ان تین گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد امام ربائی اپنے سلوک کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ درویش بچپن کے زمانے سے ہی توحید و جودی کا علم یقین کی حد تک رکھتا تھا۔ اگرچہ اس کا حال نہ رکھتا تھا اور جب راہ سلوک میں آیا۔ تو حضرت پیر و مرشد خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کی برکت سے توحید و جودی منکشف ہوئی۔ مدتوں بلکہ سالوں اسی مقام کے درجات میں گشت کرتا رہا حتیٰ کہ اسی سکر کی حالت میں کفر و ایمان زلف و روئے آں پر ی زیبائی است والی مشہور رباعی اپنے مرشد کو مکتوب میں تحریر کی۔ تا آنکہ حضرت حق جل مجدہ کی عنایت نے دستگیری کی اور یہ نسبت زائل ہونے لگی۔ اس کے زائل ہوتے وقت یہ درویش بڑا بے قرار ہوا کہ مجھے اس مقام سے نہ نکالیں، کیونکہ بہت سے مشائخ عظام اسی مقام میں اقامت پر بر تھے۔ لیکن اس مقام سے نکال کر مقام ظلیت یا توحید شہودی کے مقام پر لے گئے۔ پھر معلوم ہوا کہ پہلا مرتبہ پست سے بھی پست تر تھا۔ چنانچہ اس مقام پر خود کو اور عالم کو حضرت حق کا ظل محسوس کیا۔ اس مقام پر خواہش پیدا ہوئی کہ اس مقام سے نہ نکالا جاؤں۔ کیونکہ یہ مقام بھی توحید و جودی سے کسی قدر مناسبت رکھتا تھا۔ لیکن بالآخر کمال مہربانی سے اس مقام سے بھی بالا لے جا کر مقام عبدیت میں پہنچا دیا اور عبدیت کا کمال ظاہر ہوا اور پہلے مقامات، توحید و جودی و شہودی کی پستی ظاہر ہوئی اور ان مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی!!“

امام ربائی کے علوم و معارف و مقامات عالیہ تک یقیناً بہت کم کسی کی رسائی ہوئی ہے:

قیامت میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن مسلم نیست طوطی را بدورانت شکر خائی  
 امام ربائی کے اس صحیح صریح اور فیصلہ کن روشن واضح مکتوب کے بعد حیرت ہوتی ہے کہ عرصہ چار سو (۴۰۰) سال سے

اختلاف و نزاع کرنے والے، امام ربانیؒ کو ابھی تک توحید و شہودی کا قائل اور توحید و جودی کا منکر کہتے آ رہے ہیں اور ان کے اصلی نظریات اور مقامات بتانے سے بچکا رہے ہیں۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!! حق یہ ہے جیسا کہ قبل ازیں بھی بندہ ذکر کر چکا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ نے اپنی خصوصی تربیت سے دوسرے ہزار سال کے مجدد بنانے کے لیے امام ربانیؒ کی جس نیچ پر تربیت فرما کر کمالاتِ نبوت اور اس سے بھی بالاتر مقامات پر امام ربانیؒ کو پہنچایا ہے۔ بعد میں آنے والے اکثر مشائخؒ کی ان مقامات تک رسائی نہیں ہو سکی۔ کمالات و ولایت رکھنے کی وجہ سے اتحاد یا ظلمت کی نسبت ان سے منقطع نہیں ہو سکی۔ چنانچہ ان مشائخؒ کے جذباتی اور ناسمجھ معتقدین ان کے نظریات کی تقویت کے لیے استشہاد کے طور پر امام ربانیؒ اور شیخ اکبرؒ کو درمیان میں لا کر فضاء کو تلخ بناتے رہے ہیں۔ فی اللعجب!!

امام وقت حضرت خواجہؒ نے بالمشافہہ توحید و جودی و شہودی کی بحث کے دوران یہ قصہ کم نصیب کو سنایا کہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ، امام ربانیؒ کے توحید و جودی و شہودی پر تحریر فرمودہ ایک مکتوب کو سمجھنے کے لیے خانقاہ مظہر یہ میں شیخ وقت مرزا مظہر جانجاناںؒ کے پاس تشریف لائے۔ مرزا صاحبؒ عمر میں شاہ صاحبؒ سے تین سال بڑے تھے اور شاہ صاحبؒ کا ان کے بارے میں اعتقاد، مضمون کے شروع میں بندہ نے تحریر کر دیا ہے۔ خیر مرزا صاحبؒ نے مکتوب سمجھا دیا۔ شاہ صاحبؒ تشریف لے گئے۔ رات کو امام ربانیؒ روحانی طور پر مرزا صاحب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ شاہ صاحبؒ پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکے۔ کل خود ان کے ہاں جا کر اچھی طرح سمجھا کر ان کی خلش دور کر کے ان کو اطمینان دلائیں۔ چنانچہ مرزا صاحبؒ حسب حکم تشریف لے گئے اور مزید وضاحت فرمادی۔

چند ساعتوں کے اصرار پر بندہ نے توحید و جودی و شہودی کے موضوع پر جتنا کچھ تحریر کیا ہے؛ میرے خیال میں ذوق، شوق اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے سر دست اتنا ہی کافی ہے اور نہ سمجھنے کی نیت رکھنے والوں کے لیے شاید دفتروں کے دفتر بھی بے کار ہوں۔

بس کم خودزیر کاں را ایں بس است

امام وقت حضرت خواجہؒ کے گزشتہ مکتوب کے عرصہ بعد بندہ نے مزید کچھ استفسارات بذریعہ خط حضرت خواجہؒ سے کیے تو حضرت خواجہؒ نے یہ مکتوب جواباً تحریر فرمایا۔ یہ بھی من و عن نقل کیا جا رہا ہے:

”مکرم و محترم مولانا رشید الحق صاحب! مطالعہ فرمادیں کہ سفر حج سے واپسی کے بعد آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ واپسی کے بعد سفر کی تھکان اور احباب کی کثرت سے آمد و رفت نے ڈاک دیکھنے کا موقع نہ دیا۔ بعد میں دیگر مصروفیات نے گھیر لیا۔ تا آنکہ (ربوہ) صدیق آباد کا نفرنس کا وقت آ گیا۔ وہاں کانفرنس کے موقع پر کسی صاحب نے ایک لفافہ ہاتھ دے دیا۔ وہ لفافہ ہفتہ عشرہ کے بعد کھولنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس فقیر کو ایسی ایسی مصروفیتوں سے اچانک اور بے ارادہ واسطہ پڑ جاتا ہے کہ جس کا وہم و گمان نہیں ہوتا۔ بہر حال آپ کے گرامی نامے ایسے ویسے تو تھے نہیں، کہ قلم برداشتہ جواب لکھ دیا جاتا!! اس لیے جواب میں تاخیر ہوتی رہی۔

آپ نے صدیق آباد ملنے والے گرامی نامہ میں فقیر کے ایک ساتھی کا ذکر کیا ہے؛ ان کے جواب اور مضمون کو ذہن میں نہ رکھیں۔ عفو اور درگزر رہی بہتر ہے۔ آپ کے گرامی نامہ میں والدہ مرحومہ کے انتقال کا درج تھا۔ جس سے افسوس ہوا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت فرمادیں اور ان کو اپنی قبر میں جنت کی اسائشیں اور

راحتیں عطا فرماوے اور آپ سب کو اس صدمے کا اجر عظیم عطا فرماویں اور صبر و سکون کرامت فرماوے۔ آمین

۱۔ حضرات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ہاں اور فقیر کے خیال میں جملہ صوفیائے عظام کے ہاں قوت مثیلہ کوئی چیز نہیں۔ یہ معقولیوں کی وضع کردہ ایک اصطلاح ہے۔ شریعتِ مطہرہ اور حضرات صوفیائے کرام کے ہاں فہم و ادراک کے دھل، جسدِ عنصری میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر مقرر فرمائے ہیں۔ ایک قلب اور دوسرا نفس۔ لہذا شریعتِ مطہرہ میں قلب کی کیفیت تصدیق، اذعان، یقین کے طور پر آتے ہیں اور نفس کے متعلق بھی اٹارہ، لوامہ اور مطمئنہ کے الفاظ سے اس کی کیفیات کا بیان ہوتا ہے۔ ان دھل فہم و ادراک میں اولیت قلب کو حاصل ہے اور نفس ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

لہذا مشائخ عظام حضرات نقشبندیہ مجددیہ نے خطرات و وساوس کا محل پہلے قلب کو قرار دیا ہے۔ لہذا فرماتے ہیں کہ اول اول خطرات و وساوس کا محل قلب کا جو ف ہے۔ ذکر واذکار کی برکت سے اور اپنے شیخ کی توجہات کی بدولت خطرات و وساوس جو ف قلب سے ہٹ جاتے ہیں اور قلب پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر قلب سے ہٹ کر حوالی قلب پر آتے ہیں۔ پھر یہ خطرات و وساوس دماغ پر وارد ہوتے ہیں۔ یہی دماغ، نفس کا محل ہے۔ پھر محنت اور ریاضت اور ذکر کی برکت سے خطرات و وساوس دماغ سے بھی مرتفع ہو جاتے ہیں۔ پھر کہاں وارد ہوتے ہیں؟! یہ مسئلہ بڑا محرکہ الآراء ہے۔ کیونکہ انسان جب تک بشریت کے لباس میں رہتا ہے؛ خطرات و وساوس کا وارد ہونا لازمی ہوتا ہے۔ ذکر واذکار کی برکت اور شیخ کی توجہات اور ریاضت و مجاہدہ کے ثمرات میں خطرات و وساوس کا محل بدلتا رہتا ہے اور ان کے موذی اثرات سے انسان ذاکر و سائل محفوظ رہتا ہے۔

سائل کہ جب ذکر واذکار کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور جب سائل کا باطن ذکر الہی سے مانوس ہو جاتا ہے تو پہلے ذکر کے دوران سائل پر عدمیت کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ اس عدمیت کا مطلب یہ ہے کہ سائل اپنے آپ کو اور اپنے وجود کو معدوم محسوس کرتا ہے۔ جب ذکر کے دوران یہ کیفیت وارد ہو تو اس وقت سائل ذکر بند کر دے اور اس کیفیت کی طرف متوجہ رہے۔ جب یہ کیفیت چلی جائے تو پھر ذکر شروع کر دے۔ ابتداءً یہ کیفیت لمحوں کی صورت میں آتی ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سائل ہمہ وقت اپنے آپ کو معدوم پاتا ہے۔ اس کیفیت کو عدمیت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد تجلی فعلی کا ورود ہوتا ہے۔ تجلی فعلی کا مطلب یہ ہے: اپنے فعل و ہر حرکت کو اور عمل کو سائل اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔ جب اس کیفیت کو چنگلی حاصل ہوتی ہے تو اس کے بعد وساوس و خطرات میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ وساوس و خطرات قلب سے بالکل مرتفع ہو جاتے ہیں اور فنائے قلب کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔ فنائے قلب کے رسوخ کے لیے ”مدت مدیدہ“ درکار ہے جیسا کہ حضرت مرزا مظہر جانجانا شہید کا ارشاد آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ بہر حال فنائے قلب کے لیے حضور و یادداشت لازمی ہے اور ان کے بغیر فنائے قلب متصور نہیں۔

۲۔ فنائے نفس تو تمام لطائف کی فنا کو مضمّن ہے۔ یہ صحیح ہے، لیکن فنائے قلب بغیر فنائے نفس کے متصور ہے۔ لیکن صرف لطائف کے ذکر ہو جانے سے فنا متصور نہیں ہوتی۔ لطائف عشرہ کے بعد مشائخ عظام نفی و اثبات کا ذکر کراتے ہیں۔ اس کے بعد ولایتِ صغریٰ کے مراقبات شروع کرواتے ہیں۔ ان مراقبات کے دوران فنائے قلب کا عمل بھی ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ انعام فرماتے ہیں۔ ذکر واذکار کے نتیجہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے وہ

وہی ہے۔ البتہ اس کے ذرائع کسی ہیں۔ بعض سالکین کو ذکر وادکار کرتے کرتے مدتیں گزر جاتی ہیں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔ ایسے سالکین کے لیے ان کا شیخ اگر صاحب کشف ہے، تو وہ شیخ اپنی صوابدید کے مطابق تربیت کرتا ہے۔

۳۔ حضرت مرزا مظہر جانجانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان کہ: سلوک مقامات عنقریب مسدود ہو جاوے گا!! اس کا مطلب حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لیا ہے کہ یہ فرمان اپنے انتقال کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی حضرت مرزا مظہر جانجانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ہے اور اپنے دور میں اس سلسلے کے امام ہیں اور تمام ممالک اسلامیہ میں حضرت کے خلفاء موجود رہے ہیں اور ہندوستان میں اُس دور میں حضرت شاہ صاحب کے ہم پلہ کوئی شیخ نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضرت شاہ غلام علی شاہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

”بد اثناء ایں ولایات ثلاثہ و ایں کمالات ثلاثہ و حقائق سبعہ و دیگر مقامات، ہمہ متوسلان ایں خاندان شریف رامیسر نیست۔ بعضے بولایت کبریٰ و قلیلیہ بہ کمالات ثلاثہ، و نادرے سخاقت سبعہ و جز آں فائز می شود۔ ازیں است کہ در حالات و تاثیرات ایں عزیزاں تفاوت ہا است کہ حالات و علوم ہر مقام جدا است“

حضرت مرزا صاحب کے کلام کا مطلب بھی یہی لیا جاسکتا ہے کہ ان مقامات کی پوری پوری تکمیل والے حضرات قلیل ہوں گے، اکثر اس راہ پر چلنے والے ان مقامات پر فائز نہیں ہونگے۔

۴۔ حضرت مرزا مظہر جانجانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان جو آپ نے تحریر فرمایا ہے: تیس سال سلوک کے اور پینتیس سال تسلیک کے گزر چکے ہیں۔ یہ فرمان حضرت نے اپنی بے نفسی کی بنا پر فرمایا ہے۔ لیکن ہر مقام کے بیشمار مدارج ہیں، ممکن ہے فنائے قلب کے اعلیٰ و ارفع مقامات مراد ہوں۔

۵۔ ”قطب“ و ”فرد“ اور ”ادنا“ وغیرہ ایک علیحدہ شعبہ ہے۔ یہ تکوین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا شرائط مقرر فرمائے ہوئے ہیں، فقیر کو اس کا کوئی علم نہیں۔

آپ کے سوالات معمولی اور تہیدی نہیں، یہ بڑے مشکل سوالات ہیں۔ معلوم نہیں آپ کی اس جواب سے تسلی ہوگی یا نہیں۔

”دلائل الخیرات“ کی فقیر کی طرف سے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ باعث برکت کرے۔ آمین۔ ہمارے مشائخ ”دلائل الخیرات“ تنہا نہیں تلاوت فرماتے تھے۔ پہلے قرآن پاک کی تلاوت کی، اس کے بعد اس روز کی ”دلائل الخیرات“ کی ایک منزل تلاوت کر لی۔ برکت کے لیے تعویذ جو یہاں معمول ہے وہ اصحاب کھف والا تعویذ ہے اور یہ تعویذ ”تذکرۃ الرشید“ کے آخر میں درج ہیں۔ اس کی بھی اجازت ہے اللہ تعالیٰ باعث برکت کرے۔ آمین۔ آمدن میں برکت کے لیے اپنے مشائخ موہبی زئی شریف کا ایک درویش شریف معمول ہے، وہ اپنی سہولت کے ماتحت ایک تعداد مقرر کر لیں اور اس کو ہمیشہ جاری رکھیں: ”اللہم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد افضل صلواتک بعدد معلوماتک و بارک و سلّم یہ ہے۔“

فقیر جواب میں تاخیر کی معافی چاہتا ہے، فقیر کی طرف سے سب کو سلام مسنون۔ والسلام“  
یہ طویل پُر مغز اور دریا بوزہ بند مکتوب، حضرت خواجہ نے اپنی وفات سے بائیس (۲۲) سال قبل تحریر فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب میں بعض سالکین کے باوجود مدت مدیدہ تک ذکر وادکار کے متاثر نہ ہونے کا ذکر فرمایا



ہے۔ اس عدم تاثیر کے اسباب پر قدرے روشنی ڈالتا چلوں:

جیسے کہ دین و دنیا کے ہر علم و فن میں اسباب، شرائط اور موانع ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح تصوف میں بھی بے شمار موانع ہیں۔ گناہ کا مانع ہونا تو ظاہر ہے لیکن بعض عمل باوجود گناہ نہ ہونے کے، بلکہ باوجود سراسر نیکی اور خیر ہونے کے بھی مطلقاً مانع ہوتے ہیں۔ چنانچہ تین آدمی اس فن میں ایسے ہیں جو پوری طرح فن تصوف میں ترقی نہیں کر سکتے۔ فنا فی اللہ کا مقام تو ان تینوں کو بالکل حاصل نہیں ہو سکتا:

۱۔ ایسا آدمی جس پر ”لطیفہ خیالیہ“ یا ”ادراکیہ“ یا ”قوت تمیز“ غالب ہو اور وہ ان ہی کے اشارہ پر چلتا ہو، مقام فنا فی اللہ حاصل نہیں کر سکتا؛ کیونکہ فنا فی اللہ کا مدار تقلید، اعتقاد اور عشق شیخ پر ہے اور ایسا آدمی اپنی خود رائی کی وجہ سے اس سے محروم رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مقام صفاء حاصل کر سکتا ہے اور اصلاح یافتہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ ایسا آدمی جو کثیر المطالعہ ہو یا انہماک علمی رکھتا ہو، مقام فنا فی اللہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ ابتدائی تاثر بھی بڑی مشکل سے حاصل کر سکتا ہے۔ خواہ کثرت مطالعہ اور انہماک علمی تدریس کے رنگ میں ہو یا تصنیف کے لیے یا محض شوقیہ ہو۔ اسی لیے صاحب فن مشائخ کرام بوقت بیعت ایسے آدمی کے لیے مطالعہ اور کتب بینی پر پابندی لگا دیتے ہیں! وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت انسان عبارت ہے بہیمیت اور ملکیت سے۔ کثرت مطالعہ یا انہماک علمی قبل از فنا سے حیوانیت میں مزید ترقی ہوتی ہے بلکہ کثرت مطالعہ علامت ہی کسی بھی شخص کے قوی الحیوانیت ہونے کی ہے۔ جبکہ فنا فی اللہ، حیوانیت کے ضعیف ہونے بغیر اور ملکیت کے قوی ہونے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ فنا فی اللہ، احدیت صرفہ کی طرف عرصہ دراز کی دائمی توجہ چاہتی ہے، جبکہ کثرت مطالعہ اس دائمی توجہ سے مانع ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را آئینہ دل میں کہ کتابے بہ ازیں نیست

مشہور ہے کہ ایک شیخ الحدیث صاحب شیخ الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہونے گئے۔ ساتھ ہی اپنے دو تین مقتدیوں کو بھی لے گئے۔ چنانچہ حاجی صاحب نے سب کو بیعت فرما کر لطیفہ قلب پر ذکر کا سبق عنایت فرمایا اور تین ماہ کرنے کا حکم دیا۔ تین ماہ بعد جب سب حاضر ہوئے تو شیخ الطائفہ نے عوام الناس مقتدیوں کو دوسرا سبق عنایت فرمایا، لیکن شیخ الحدیث صاحب کو فرمایا کہ وہی پہلا سبق کرتے رہے۔ پھر تین ماہ بعد آنے کا کہا۔ ظاہر ہے شیخ الحدیث صاحب نے محسوس کیا ہوگا کہ عوام آگے نکل گئے، میں پیچھے رہ گیا۔ اتفاق سے تین ماہ بعد پھر اکٹھے حاضر ہوئے تو حاجی صاحب نے عوام کو تیسرا سبق عنایت فرمایا اور شیخ الحدیث صاحب کو حسب سابق اسی سبق اول کا حکم دیا۔ شیخ الحدیث صاحب اس دفعہ ذہنی طور پر تیار ہو کر تشریف لائے تھے کہ اگر وہی سبق ملا تو احتجاج کروں گا!! چنانچہ عرض کی کہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجھ پر سبق نے اثر نہیں کیا؛ اسی لیے اگلا سبق نہیں ملتا۔ یا تو ہر دفعہ حضرت یوں ہی فرماتے رہیں گے کہ اسی سبق کو کرو!! اور یا پھر اس عدم تاثر کا حل فرمائیں؟ حاجی صاحب جہان دیدہ کامل العقل شیخ تھے۔ ان کا رسمی عالم نہ ہونا سب کو معلوم تھا۔ اس لیے بخاطر مصلحت فرمایا کہ رشید احمد کے پاس چلے جائیں۔ چنانچہ شیخ الحدیث صاحب حضرت گنگوہی کے پاس پہنچے۔ آمد کی وجہ پوچھنے پر سارا قصہ بتا دیا۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ تین ماہ بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھانا موقوف رکھیں اور سبق یہی پہلا جاری رکھیں۔ یہی بات حاجی صاحب بھی فرمانا چاہتے تھے، لیکن ان کے فرمانے سے مفاسد پیدا ہو سکتے تھے۔ اسی لیے حضرت گنگوہی کے حوالے فرمایا۔ حضرت گنگوہی چونکہ خود بھی حدیث پڑھاتے تھے، ان کے فرمانے میں مفاسد نہ تھے۔ چنانچہ شیخ

الحدیث صاحب اس عرصے میں ذکر سے متاثر ہونے لگے۔

غرض یہ کہ حدیث شریف خصوصاً بخاری شریف پڑھانے کے انتہائی اعلیٰ نیک عمل ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں لیکن ہر فن کے اپنے اصول ہیں، انہی پر کار بند رہنا پڑتا ہے۔

۳۔ کثیر العبادۃ الظاہرۃ: ظاہری عبادت مثلاً نماز، نفل، تلاوت، درود، استغفار، غرض یہ کہ لسانی اور قلبی عمل کی کثرت رکھنے والا، فنا فی اللہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے مشائخ بیعت کرنے والوں کو سوائے فرائض، واجبات اور سنن موکدہ کے تمام اعمال ظاہرہ سے منع فرمادیتے ہیں۔ سوائے ذکر کے سب عبادتیں ممنوع ہو جاتی ہیں۔

عبادت ظاہرہ اگرچہ ملکیت کو بڑھاتی ہے، لیکن یہ عبادت ظاہرہ، باطن کی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے محض رسمی ہونے کی بنا پر ملکیت ضعیفہ پیدا کر سکتی ہیں۔ جبکہ فنا فی اللہ کے لیے ملکیت تو یہ درکار ہے اور نیز عبادات ظاہرہ اس سٹیج پر اپنے اندر مشغول رکھنے کی وجہ سے ”احدیث صرفہ“ کی طرف دائمی توجہ سے مانع ہوتی ہیں۔

بارہ تیرہ سال قبل اسلام آباد میں ایک بزرگ عالم تشریف لائے، مجھ نالائق سے ملاقات کی خواہش کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ بندہ نے ظہر کی چائے میں دعوت دے دی۔ تشریف لائے، نجیف و نزار، سن شریف نوے (۹۰) سے تقریباً متجاوز تھا۔ معلوم ہوا کہ دیوبند کے فاضل ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں فراغت ہوئی۔ فراغت کو بھی باسٹھ تیسٹھ سال ہو چکے تھے۔ خیر باتوں باتوں میں بندہ نے روحانی نسبت کا پوچھ لیا۔ مسکرانے لگے! فرمایا کہ بیعت تو رسمی سی عرصہ دراز قبل شیخ العرب والجم حضرت مولانا عبدالغفور مدنی سے کی تھی، لیکن ذکر سے میں ذرا بھی متاثر نہیں ہو سکا۔ بندہ نے عرض کی کہ اپنے شیخ سے رابطہ کر کے عرض کر دیتے۔ فرمایا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے؛ البتہ کافی عرصہ بعد حج پر جانا ہوا تو وہاں عرض بھی کر دی کہ میں ذکر سے متاثر نہیں ہو سکا۔ حضرت نے شفقت فرمائی اور رات کو اپنے حجرہ خاص میں ٹھہرنے کا فرمایا۔ خصوصی توجہ بھی فرمائی اور رات کو اپنی خاص چار پائی پر سونے کا فرمایا، لیکن دونوں باتوں سے میں متاثر نہ ہو سکا! صبح عرض کرنے پر دوبارہ توجہ فرمائی، لیکن بے سود؛ چنانچہ بندہ نامراد واپس ہونے لگا، تو فرمایا کہ پوری زندگی میں دو آدمی میری توجہات سے متاثر نہیں ہو سکے۔ ایک ”تم“ اور دوسرا ”کوئی اور“۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ بہت عبادت گزار تھا۔

بندہ راقم الحروف نے عرض کی کہ آپ کے عدم تاثیر کی کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے عرض کی کہ وہ وجہ میں بیان کر دوں؟!! فرمانے لگے: ضرور بیان کریں۔ بندہ نے عرض کی کہ آپ کثیر المطالعہ ہیں۔ مولانا باوجود نجیف و نزار بوڑھے ہونے کے اچھا خاصا اچھل پڑے! اور فرمایا کہ اوہو! میں تو واقعی کتابی کیڑا ہوں!! میری ساری زندگی اسی مطالعے میں ہی گزر گئی ہے اور لوگ بھی مجھے کتابی کیڑا ہی کہتے ہیں۔

غرضیکہ بہت سے اچھے کام بھی اس لائن کے مولع میں سے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ تینوں آدمیوں میں سے اوّل الذکر مطلقاً فنا فی اللہ کی استعداد نہیں رکھتا، لیکن کثیر المطالعہ و کثیر العبادۃ عرصہ دراز تک علی حسب الاستعداد والریاضۃ ان کاموں کو چھوڑنے سے استعداد حاصل کر سکتے ہیں۔ کہیں مولویان کرام مجھ نالائق پر فتویٰ ہی نہ جڑ دیں کہ یہ امت کو کدھر لے جا رہا ہے!! خدا نخواستہ ایسی بات نہیں۔ میں تو ذکر و فکر کی محنت کے تھوڑے عرصے میں رنگ لانے کا اصول بیان کر رہا ہوں تاکہ:

آنچہ دانا گند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

کا مصداق نہ بنے!!

اگر لوگ خفا نہ ہوں تو خدا لگتی کہہ دوں: کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اور انکے برگزیدہ اصحاب کرام کی نسبت کی بلندی کی ایک خاص وجہ مطالعہ اور اسباب مطالعہ کا فقدان تھا۔ وہاں تو سراسر عمل، اخلاص، روحانیت تھی۔ حاصل کلام یہ کہ فنا فی اللہ سے قبل کثرت مطالعہ و عبادت ظاہرہ موانع میں سے ہیں۔ ہاں! ایسا آدمی جو فنا و بقا حاصل کر چکا ہو، اس کو کثرت مطالعہ کتب شریعہ خصوصاً کتب حدیث و تفسیر کا مطالعہ، اسی طرح عبادت ظاہرہ کی کثرت بھی سراسر ترقی بخش ہے۔ غرض یہ کہ ”جائے استاد خالی است“ کے بموجب ہر فن استاد سے ہی سیکھنا پڑتا ہے اور یہ اصول و ضوابط کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ نے آخری خط اپنی وفات سے دس سال قبل مجھ نالائق کو تحریر فرمایا۔ بندہ ایک دفعہ اپنے شاگرد خاص مرید خاص مولوی نیاز احمد شاہ صاحب سے اس کی مسلسل نالائقیوں کی وجہ سے ناراض ہوا اور مجلس میں حاضر ہونے پر پابندی لگا دی۔ انہوں نے بڑی چالاکی سے حضرت خواجہؒ کے دامن عاطفت سے سفارش چاہی تو حضرت خواجہؒ نے اس کی عرض قبول فرماتے ہوئے مجھ نالائق کو مکتوب تحریر فرمایا۔ اس مکتوب کے وقت یہ نالائق اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود، عرف عام میں چونکہ ”شیخ صاحب“ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ اس لیے حضرت خواجہؒ نے اسی عرف کا لحاظ فرماتے ہوئے اسی لقب سے یاد فرمایا ہے۔ خط کیا ہے، باوجود اختصار کے ”ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا“ کا مکمل عکاس ہے؛ من وعن نقل کیا جا رہا ہے:

”بگرمی خدمت جناب محترم شیخ صاحب زید مجدکم!  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ حامل رقیبہ ہذا نیاز علی شاہ صاحب جناب کے مخلص خادم حاضر ہو رہے ہیں۔ اپنی شفقتوں سے اُن کو سرفراز فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ابر عظیم عطا فرماویں گے اور فقیر دل و جان سے شکر گزار ہوگا۔“

ان آخری دس سالوں میں حضرت خواجہؒ نے رفتہ رفتہ اپنی پیرانہ سالی کمزوری اور بیماری کی بنا پر خط و کتابت ترک فرمادی تھی۔ ورنہ بہت ساری اہم فنی باتیں پوچھنے کے قابل تھیں۔ جن کا جواب صرف حضرت خواجہؒ ہی عنایت فرما سکتے تھے: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اور ساتھ ہی خاموشی بھی بہت بڑھ چکی تھی۔ تجلیات عالیہ عظیمہ کی بنا پر، باوجود شفیق ہونے کے ہیبت و جلال محسوس ہوئی بنا پر زبانی بھی پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔

پیش جاناں قوت گفتار بودے کا شکلے

## سانحہ وفات

حضرت خواجہؒ کی وفات سے دو دن قبل بندہ نے ایک خواب دیکھا: دفعۃً ذہن حضرت خواجہؒ کی وفات کی طرف منتقل ہوا۔ دل دھک سے رہ گیا!! فوراً خانقاہ شریفہ رابطہ کیا لیکن نہ ہو سکا۔ چنانچہ اسلام آباد میں حضرت کے میزبان حاجی یعقوب صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت واقعی بیمار ہیں اور ملتان میں سیال کلینک میں زیر علاج ہیں۔ اعتقاد روحانی بھی عجیب چیز ہے!! بندہ نے خواب اور اپنی پریشانی کا ابھی تک کسی سے اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ کہ اُسی رات بقول معتقدین: بندہ نے ایک قریبی مرید و معتقد کو خواب میں بتایا کہ حضرت خواجہؒ وفات پا چکے ہیں! دیکھنا جنازے سے رہ نہ جانا۔ جبکہ دوسرے معتقد کو کہا: کہ تین بجے جنازہ ہے، سب ساتھیوں کو بتادو اور سب جنازے پر پہنچنے کی فکر کریں اور بندہ کے ایک مرید کو جو بیرون ملک

قیام پر بری تھا؛ حضرت خواجہؒ نے خود خواب میں فرمایا: کہ میں ایک ہفتے بعد وفات پارہا ہوں جنازہ پر پہنچنا: چنانچہ وہ ہفتے بعد بدھ کی شام لاہور انرپورٹ پر پہنچا اور اگلے دن سیدھا جنازہ پر حاضر ہوا۔ سچ ہے:

ما شتا راہبانہ ساختند

چنانچہ خواب کے دو دن بعد شام کو کھانے کے بعد مدرسہ کے مدرس قاری زاہد صاحب نے اپنا موبائل فون بندہ کے سامنے کر دیا۔ جس میں امام وقت حضرت خواجہؒ کی وفات کی وحشت ناک خبر تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا کے طول و عرض میں یہ خبر سب معتقدین پر بجلی بن کر گری۔ لیکن چونکہ آنحضرت جل سلطانہ کا نظام ہی ایسا ہے صبر کے بغیر کوئی چارہ نہیں!!

خنک روزے بود یا نیم اگر خضر ہدایت را کہ راہوار یقین ما بصحرائے گمان گم شد  
اگلے دن احباب کے ساتھ جنازے پر حاضر ہوا تو انسانی سروں کا ٹھٹھیں مارتا ہوا سمندر، ”عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے“ کا سماں پیش کر رہا تھا۔ جنازے کے بعد پچھتم گریاں و دل بریاں سر پر خاکِ محرومی ڈالتے ہوئے واپسی ہوئی۔ حیاتِ عنصری میں اب شوق دیدار ہمیشہ بے کل ہی رکھے گا!!

مئے وصل نیست وحشی بخمارِ ہجر خو کن کہ شرابِ نا امید غم دردِ سر ندارد  
حضرت خواجہؒ کی وفات و حسرتِ آیات سے عالم اسلام کا اتنا بڑا عظیم نقصان ہوا ہے، کہ قطع نظر رسمی الفاظ کے عالم اسباب میں اس کی تلافی یقیناً ناممکن ہے۔ حضرت حق جل مجدہ حضرت خواجہؒ کے ساتھ یقیناً ان کے شانیاں شان سلوک فرمائیں گے اور مقعدِ صدق کے مقامِ عالی سے سرفراز فرمائیں گے۔ ہم پیمانوں کو حضرت حق، حضرت خواجہؒ کی نسبت کے طفیل اپنے قرب و معرفت سے بہرہ ور فرمائیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

## مکاشفہ

حضرت خواجہؒ کی وفات کے دو چار دن بعد راقم الحروف کے ایک قریبی صاحب کشف مرید و معتقد نے مکاشفہ میں دیکھا کہ راقم الحروف نے حضرت خواجہؒ سے پوچھا کہ حضور برزخ میں کیسی رہی؟ تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ خلاف توقع رہی۔ میرا خیال تھا کہ قبر میں حسب معمول مجھ سے سوال وغیرہ ہوگا؛ لیکن قبر میں ڈالے جانے کے ساتھ ہی قبر تاحدنگاہ فراخ ہو گئی۔ جنت کی کھڑکی کھول دی گئی۔ منکر نکیر کی بجائے دو فرشتے بطور خادم کے بھیجے گئے کہ جو خدمت ہو، ان سے فرمادیں، بجائے جانی گی۔ تمام مشائخ کرام نے میرا استقبال کیا اور خاص ”ئے“ میں سب نے میرے آنے کی خوشی میں اسم ذات کا جہری ذکر کیا، اور میری آمد پر برزخ میں مشائخ نے تین دن جشنِ خوشی منایا۔ تین دن کے جشن کے بعد خواجہؒ کا نجات حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دربار عالی میں بلایا، میں حاضر ہوا؛ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ختم نبوت کے کام کے طفیل مجھ پر توقع سے زیادہ عنایات فرمائیں اور اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہوتا ہوں۔

کشف و کشف اگرچہ کوئی شرعی حجت نہیں؛ لیکن اس میں کوئی بات خلاف شرع بھی نہیں۔ میرا اعتقاد ہے کہ یقیناً ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بہت اعلیٰ معاملہ حضرت حق جل مجدہ نے حضرت خواجہؒ کے ساتھ فرمایا ہوگا۔ آنحضرت جل سلطانہ ہمیں حضرت خواجہؒ کی ہمہ خصوصی طور پر روحانی برکات دائمی طور پر نصیب فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین والحمد للہ رب العالمین۔